الآخره

دی آفٹر لائف

امام انور الولکی



Chapter 1

مترجم: وقاص بن اکرم
معاون: فیصل بن نذیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الآخرہ دی آفٹر لائف cd1۔امام انور الولکی

الآخرۃ اس زندگی کے بعد شروع ہونے والی حتمی اور دائمی زندگی۔

امام انور العولقی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ آڈیو لیکچرز سیریز اس بارے میں ہمیں تفصیلی اور مصدقہ معلومات فراہم کرتی ہیں جو کہ آخرت کی زندگی سے متعلق ہیں۔ انشاء اللہ آڈیو لیکچرز کے اس سلسلے میں ان تمام مراحل کا احاطہ کیا جائے گا، جن سے ایک انسان موت کے وقت سے ہمکنار ہونے کے بعد گزرے گا۔ اس سلسلے میں شامل کچھ موضوعات موت، قبر کے واقعات، قیامت کے دن، جنت اور جہنم، فیصلے کے دن کی چھوٹی اور بڑی علامتیں، قیامت کے دن پیش آنے والے واقعات شامل ہونگے۔
تمام تعریفیں اللہ کے لئے سزاوار ہیں، اور برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

ہم نسل انسانی اس دنیا پر بسنے والے زیادہ تر لوگ یہی خیال کرتے ہیں، کہ ہم یہاں کے مستقل باشندے ہیں، یہی ہماری رہائش گاہ ہے اور بس ھمارا تعلق یہیں اس دنیا اور زمین سے ہی ہے۔ ہم یہ جانتے نہیں ہیں یا پھر جاننا ہی نہیں چاہتے کہ حقیقت میں ہم ایک ٹرین پر سفر کر رہے ہیں، جو کہ اسٹیشن کے بعد اسٹیشن اور پھر اپنی ایک آخری منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ ہم مستقل طور پر یہاں کے رہائشی نہیں ہیں، ہمارے پاس ایک ٹکٹ ہے جس میں تین سلپس موجود ہوتی ہیں۔ ہم رحم مادر میں نو ماہ تک رہتے ہیں پھر جب ہم باہر اس دنیا میں وارد ہوتے ہیں تو ہماری ایک سلپ اس ٹکٹ سے الگ کر دی جاتی ہے، اس کے بعد ہم اس دنیا میں ایک عرصے تک رہائش پذیر ہوتے ہیں، یہ اسٹیشن کی طرح کا ایک عارضی قیام ہے، اور جب ہماری موت کا وقت آتا ہے تو ٹکٹ کی دوسری سلپ بھی استعمال ھو جاتی ھے۔ اب ہمارے پاس ایک ہی آخری سلپ باقی بچتی ہے، جو کہ ہمیں جہنم کی آگ یا پھر جنت کے باغات میں لے جا سکتی ہے، بس اب یہی ہماری آخری منزل ہے۔
ہم اس دنیا کے باسی نہیں ہیں ہم سفر کر رہے ہیں اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ آپ مسافر ہو، اور مزید فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں میری مثال اس شخص کی سی ہے جو کہ صحرا میں سفر کر رہا ہو اور پھر ایک درخت

دیکھے اور اس درخت کا کچھ سایہ لے لے اور تھوڑی دیر آرام کرے، اور پھر سے اپنا سفر جاری کر دے۔ یہی دنیا ہے آپ نے درخت کے نیچے کچھ لمحے گزارے اور پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ کیا آپ وقت کو روک سکتے ہیں؟ وقت تو چلتا چلا جا رہا ہے اور ہمارے وجود کو آہستہ آہستہ مٹا رہا ہے۔ وقت کا گزرنا اس دنیا میں ہمارے وجود کو فنا کرنے کا کام کر رہا ہے، ہر گزرتا ہوا سیکنڈ ہمارے اپنے وجود میں سے ہمارا کچھ حصہ اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ ہم یہاں کے باسی نہیں ہیں اور ہمیں یہ یقین کر لینا چاہیے کہ ہم یہاں پر مستقل طور پر قرار نہیں پا سکتے اس لیے ہمیں موت کی تیاری کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہی وہ موضوع ہے جس کا ہم اللہ کے نام کے ساتھ آغاز کر رہے ہیں۔

ہم آخرت کے بارے میں کیوں بات کرتے ہیں، ہمیں کوئی نہ کوئی نیت ضرور رکھنی چاہیے، ہم جو بھی کام کرتے ہیں اس کے بارے میں ہمارا کوئی مقصد تو ہونا چاہیے۔ تو آخرت کے بارے میں بات کرنے کا کیا مقصد ہے؟ سب سے پہلے یہ کہ یہ ہمارے ایمان کا لازمی جزو ہے، یہ ایمان کا ایک ستون ہے، ہمارے ایمان کا ایک حصہ یہ ہے کہ ہم آخرت پر یقین رکھیں۔ دوسری وجہ یہ کہ ہمارے آس پاس یہ اتنی پریشانی کیوں ہے؟ ہم مسلمانوں میں سے کیوں ایسے لوگ ہیں جو کہ شراب پیتے ہیں، اور ایسے مسلمان ہیں جو زنا کرتے ہیں، اور ایسے مسلمان ہیں جو کہ ربا یعنی سود کھاتے ہیں، اور ایسے بھی ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں۔ کیوں؟ وہ کونسی ایسی چیز ہے جس کو ہم بھولے ہوئے ہیں؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے اس بیان کو بہت غور سے سنیے، سبحان اللہ اس مختصر سے جملے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ ہمیں انفرادی اور معاشرتی تبدیلیوں کا ترتیب وار پروگرام دے رہی ہیں۔ صرف ایک جملے میں، اگر ہم بس اسی کو اپنا لیں تو ہم اپنی زندگی میں بے پناہ اور بڑی تبدیلی دیکھ سکیں گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ اگر قرآن میں پہلا حکم یہ وارد ہوتا کہ شراب مت پیو، تو لوگ کہتے کہ ہم شراب پینا کبھی نہیں چھوڑیں گے، اور اسی طرح اگر قرآن سب سے پہلے یہ حکم دیتا کہ زنا مت کرو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی بھی زنا کو ترک کرنے والے نہیں، لیکن سب سے پہلی چیز جو قرآن میں نازل ہوئی وہ سرور المفصال تھی جس میں جہنم کی آگ اور جنت کا ذکر ہوتا ہے یہاں تک کہ یہ ذکر کرتے کرتے دلوں کو اللہ سبحانہ تعالی سے جوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد حلال اور حرام کے حکم نازل کیے گئے۔ اگر آپ مشاہدہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ مکہ کے دور میں کوئی قوانین حلال و حرام نہیں تھے زیادہ تر قانون اسلامی شریعت میں مدینہ کے اندر آئے۔ مکہ کے دور کے اندر ان قوانین دین کو ہضم کرنے کی ابتدائی تیاری کی گئی

تھی۔ یہاں پر سینوں اور دلوں کے ٹینک کو ایمان سے بھرنے پر توجہ دی گئی، یہ سب کچھ جنت اور جہنم اور آخرت کا ذکر کرنے اور غیب کے بتانے اور ان دیکھے خدا کو اُجاگر کرنے سے کیا گیا، یہاں تک کہ دلوں کو اللہ سبحانہ تعالی کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور جہالت کے تمام پردے ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے سے ہٹتے چلے گئے پھر اس کے بعد اللہ کے قوانین حلال اور حرام نازل اور نافذ ہوئے۔ لیکن اس موجودہ دور میں ہم صرف جہالت کے مسئلے سے دوچار نہیں ہیں، ھاں جہالت بھی ایک مسئلہ ہے لیکن یہ واحد مسئلہ نہیں ہے کیونکہ اب سب جانتے ہیں کہ شراب پینا حرام ہے، پھر بھی لوگ اسے پیتے ہیں، لوگ یہ جانتے ہیں کہ سود حرام ہے لیکن پھر بھی اس میں ملوث ہیں۔ سب نماز اور روزے کی اہمیت کو جانتے اور سمجھتے ہیں، پھر بھی وہ ادا نہیں کرتے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ حج فرض ہے، چھوٹے بچے تک اسلام کے پانچ ارکان کو جانتے ہیں، جن میں سے ایک حج ہے۔ پھر بھی یہ کیوں ہے کہ لوگ حج نہیں کرتے؟ یہ صرف جہالت کا مسئلہ نہیں ہے، اس سے بھی بڑا مسئلہ ایمان کی کمی اور اس کا ناکافی ہونا ہے۔ دل پتھروں کی مانند ہو چکے ہیں ہمارے دل نرم نہیں ہیں۔ وہ کونسی چیز ہے جو ان پتھروں سے زیادہ سخت اور کھردرے دلوں کو نرم کرنے والی ہے؟ یہ آخرت کا ذکر ہے غیب اور ان دیکھی باتوں کے بارے میں بات کرنا ہے، ان کا ایک دوسرے سے ذکر کرنا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم وہ جان لیتے جو کہ میں جانتا ہوں تو پھر تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

اگر ہم آخرت کے بارے میں اس طرح جان لیں جس طرح کے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے جنت کو دیکھوں اور پھر اس سے زیادہ محبت کرنے لگ جاؤں، اسی طرح اگر میں جہنم کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لوں اور پھر اس سے زیادہ ڈرنے لگوں۔ اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے جنت اور جہنم کے وجود کو اس طرح اپنے اندر سمو لیا تھا کہ اگر وہ اپنی آنکھوں سے بھی ان کو اپنے سامنے اس دنیا میں ہی دیکھ لیتے تو پھر بھی ان کو کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔ یہ وہ ایمان ہے جو کسی ایسے مقام والے کے نصیب میں ہی ہو سکتا ہے۔ وہ اس دنیا میں اس طرح زندگی گزار رہے تھے جس طرح اپنی آنکھوں سے جنت اور جہنم کو ہر لمحے اپنے سامنے دیکھ رہے ہوں۔

اجتماعی اور انفرادی تبدیلی پر واپس چلتے ہیں، 1930 میں یو ایس کانگریس نے یہ فیصلہ کیا کہ شراب پر پابندی لگا دی جائے، سبحان اللہ یہ فطرت سلیم ہے، بے شک آپ مسلمان ہو یا کافر آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ شراب ایک نقصان دہ چیز ہے۔ ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ یہ اچھی چیز نہیں۔ چنانچہ یو ایس کانگریس نے ایک قانون پاس کیا جس کے تحت شراب پر پابندی لگا دی گئی، انھوں نے اس قانون کی

پاسداری کے لیے خوب طاقت کا استعمال بھی کیا۔ اس کے نتیجے میں لاکھوں لوگوں کو جیلوں میں بند کیا گیا اور لاکھوں ڈالرز اس قانون کی پاسداری کے لیے خرچ کر دیئے گئے، اس طاقت کے استعمال میں ہزاروں لوگوں کی جانیں بھی چلی گئیں، پھر بھی شراب کے استعمال میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں دیکھی گئ۔ لوگوں نے اپنے گھروں کو شراب کے اڈے بنالیا یا وہ اپنے گھروں میں ہی شراب کشید کرنے لگے، جس کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں پھیلنے لگیں کیونکہ شراب بنانے کا طریقہ انتہائی گندگی پر مشتمل ہوتا ہے۔

آخر کار چار سال کے بعد ان کو یہ اندازہ ہوا کہ ہم اب اس طرح اور آگے نہیں چل سکتے تو یو اس کانگریس کو اپنے اس قانون کو ہی ختم کرنا پڑا۔ یہ تھا سوپر پاور امریکہ، جو کہ ایک چھوٹے سے قانون کو بھی رواں نہیں رکھ سکا۔ اب ہم چودہ سو سال پہلے کے دور میں دیکھتے ہیں جبرائیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حکم لے کر اترے کے شراب اور خمر برائی کے راستے ہیں لہذا ان سے دور رہو۔

قرآن میں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے پاس نہ کوئی پولیس تھی نہ نیشنل گارڈ اور نہ ہی کوئی آرمی، نے اللہ کا یہ حکم صاحبہ کو سنایا، جن میں سے کچھ یہ حکم لے کر مدینے کی گلیوں میں اعلان کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ صحابہ کو شراب پیش کر رہا تھا جب آپ نے باہر گلی میں یہ اعلان سنا کہ اللہ نے شراب کو حرام کر دیا ہے۔ میرے ہاتھ میں جو شراب کا جگ تھا میں نے اسے نیچے پھینک دیا، کچھ صحابہ جنہوں نے اپنے پیالے بھر لیے تھے انہوں نے بھی اپنی پیالوں کی شراب ضاع کر دی، کچھ صاحبہ جنہوں نے شراب اپنے منہ میں بھر لی تھی انہوں نے باہر نکال دی، یہاں تک کہ کچھ صحابہ جو اسے اپنے معدے میں لے گئے تھے انہوں نے قے کرتے ہوئے اسے باہر انڈیل دیا۔ یہاں یہ بھی بتایا گیا کہ اس حکم کے آتے ہی مدینے کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی، یہ ہے فوری اطاعت، کسی بھی ہیل و حجت کے بغیر فوری، وہ بھی بغیر کسی پولیس کے، بغیر کسی یو ایس کانگریس کے قانون کے، بغیر کسی نیشنل گارڈ یا پھر بغیر کسی آرمی کے۔ یہ سب کچھ لاکھوں ڈالر خرچ کیے بنا کسی ایک بھی فرد کو جیل میں پھینکے بغیر کس طرح کیا گیا؟؟ یہ کیسے ہوا کہ جو کام ریاست مدینہ میں فوراً ہو گیا وہ دنیا کی سب سے بڑی مضبوط سپر پاور نہیں کر سکی؟ یہ ایمان اور تقوی کا بہت بڑا فرق ہے، صحابہ کی تربیت ہو چکی تھی اور وہ حلال اور حرام کے احکام کو من و عن قبول کرنے کے لیے بالکل تیار تھے۔ جبکہ ہمیں ان احکام کو قبول کرنے کے لیے آخرت کا بہت ذکر کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو اس ذکر کے ذریعے تیار اور تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

تو اوپر بیان کئے گئے ہمارے سفر کے ٹکٹ میں موجود اس سلپ کے بارے میں ہم بات کریں گے، ہم اس کا آغاز قیامت صغریٰ جس میں سب سے پہلے موت، دوسرے نمبر پر قبر، نمبر تین پر روح، نمبر چار پر ہم قیامت کی کچھ نشانیوں جو کہ چھوٹی اور بڑی دونوں پر مشتمل ہیں کا ذکر کریں گے۔ اس کے بعد ہم دوسرے سیکشن میں قیامت کبرا جس میں شامل ہیں سب سے پہلے دوبارہ زندہ اٹھایا جانا، دوسرے نمبر پر قیامت کے دن کی ہولناکیاں، نمبر تین پر احتساب یا جزا اور سزا، اور اس کے بعد نمبر 4 پر ہماری آخری منزل جو کہ جنت یا جہنم ہوگی کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ لہذا یہ ہماری آخرت کی طرف کے سفر کا ایک خاکہ ہے، ایک ایسا سفر جس کی جانب ہم میں سے ہر کوئی بڑھتا چلا جارہا ہے، لہذا ہم اللہ سبحانہ و تعالی سے مدد مانگتے ہوئے اس کا آغاز کرتے ہیں۔

قیامت صغریٰ / موت:

ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ قیامت کا چھوٹا دن کیا ہے؟ اور یہ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟ یہ موت ہے، جیسا کہ بخاری روایت کرتے ہیں، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بدو آیا اور اس نے قیامت کے متعلق سوال کیا رسول اللہ نے مجمع میں سے سب سے چھوٹے بچے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ جب تک یہ بڑا ہوگا تمہاری قیامت کے دن کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ یعنی اگر اللہ نے چاہا اور اس بچے کی عمر دراز ہوئی تو سوال کرنے والے بدو کی موت کا وقت آ چکا ہوگا۔ اور وہی اس کی قیامت کے دن کا آغاز ہوگا۔ اس لئے موت کو قیامت صغرہ کہا جاتا ہے، کیونکہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو وہ دوسری طرف کی گنتی میں آ جاتا ہے، جہاں پر اس کے سامنے صرف اب قیامت ہی باقی بچتی ہے۔ موت ہی ایک راستہ ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں اور ہم سب کو اسی راستے سے گزر کر جانا ہوگا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، اسی کا حکم باقی ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا پڑے گا، یہاں تک کہ صرف اللہ تعالی کی ذات باقی رہ جاے گی، اگر اس کائنات میں کوئی شخص موت سے بچ پاتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔ لیکن وہ بھی وفات پا گئے۔ جس طرح اللہ تعالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم بھی فوت ہو جاو گے اور یہ سب بھی وفات پا جانے والے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ کسی شخص کو موت نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ نہ چاہے، اور ہر قوم کا بھی ایک وقت مقرر ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے تو اس میں سے کوئی بھی اسے روک

یا پھر ٹال نہیں سکتا۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ موت تم کو پا کر رہے گی بے شک تم مضبوط قلعوں میں ہی اپنے آپ کو بند کر لو۔ اللہ تعالی ہمیں بنی اسرائیل کے اس گروہ کے بارے میں بھی بتاتا ہے جو موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل کھڑا ہوا تھا، اللہ سبحان تعالی نے جس چیز سے وہ ڈر کر بھاگ رہے تھے اسی چیز کو ان پر مسلط کر دیا یعنی ان کو موت دے دی، اور پھر ان کو دوبارہ زندہ کر دیا تا کہ اپنی قدرت ان پر عیاں کر دے۔

ایک بار ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ یہ دعا فرما رہی تھیں، کہ یا اللہ مجھے خوشی عطا فرما میرے شوہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لمبی عمر عنایت کر کے اور میرے والد ابو سفیان رض کو لمبی عمر اور میرے بھائی معاویہ رض کو لمبی عمر عنایت کر کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دعا سنی تو فرمانے لگے، تم اللہ تعالی سے ان شرائط کے بارے میں التجا کر رہی ہو جو پہلے سے ہی طے شدہ ہیں وہ دن جو گنے جا چکے ہیں وہ رزق جو بانٹا جا چکا ہے وہ زندگی جو پہلے سے طے کی جا چکی ہیں، اور وہ معاہدے جو پہلے سے تیار شدہ اور منقسم ہیں۔ اگر تم اللہ کے سامنے اس چیز کا سوال کرو کہ وہ تمہیں جہنم کی آگ سے بچا لے اور تمہیں قبر کے عذاب سے بچا لے تو یہ دعا تمہارے لئے بہت اچھی ہو گی۔ تم اللہ سے جو میری اپنے والد اور اپنے بھائی کی لمبی عمر کی دعا کر رہی ہو وہ پہلے سے طے اور متعین کی جا چکی ہے، یہ تبدیل نہیں ہو گی اور یہ کسی اعلان کے بغیر ہی آ جائے گی۔ اور جب اللہ چاہے گا یہ وقوع پذیر ہو جائے گی۔

اس سلسلے میں میں آپ کو ایک اصل واقعہ سنانا پسند کروں گا جو کہ ریاض میں پیش آیا، ایک تعمیراتی کمپنی میں کام کرنے والا مزدور جو کہ ساتویں منزل پر اپنا کام کر رہا تھا وہ اچانک کسی بھی حفاظتی بند کے نہ ہونے کے سبب ساتویں منزل سے نیچے گر گیا۔ انتہائی بلندی سے جب وہ کنکریٹ کے ٹھوس فرش پر گرا تو راہ چلنے والوں نے خیال کیا کہ اب تو اس کا بچنا نا ممکن ہے، اس کا حال معلوم کرنے کے لیے سب لوگ جمع ہو گئے لیکن اس کے بعد سب لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اس شخص کو فرش پر کھڑے ہوتے دیکھا۔ معجزاتی طور پر اس شخص کو کسی بھی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ لوگوں نے اسے مبارک باد دی اور اپنی جان کے بچ بجانے پر وہ شخص بھی اتنا خوش ہوا کہ اس نے لوگوں کو کچھ مشروبات پینے کی دعوت دے ڈالی۔ روڈ کی دوسری سائیڈ پر ایک گروسری سٹور تھا اس سے وہ مشروبات خریدنے کے لئے جونہی روڈ پر پہنچا تو ایک تیز رفتار گاڑی نے اس کو ٹکر مار دی جس سے موقع پر ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔ یہ موت اس وقت واقع کیوں نہیں ہوئی جب وہ ساتویں منزل سے نیچے ٹھوس فرش پر گر گیا؟ اس سے معلوم ہوا

کہ موت کا وقت اور جگہ متعین ھے، اور انسان اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں اسے آ لے گی۔ یہ جو شخص تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ ساتویں منزل سے نیچے گر کر بچ جانے کے فورا بعد ہی اس کی موت کا وقت آئے جائے گا۔ وہ تو یہی خیال کر رہا ہو گا کہ اگر میں ساتویں منزل سے گرنے کے باوجود بچ گیا ہوں تو اب تو ایک لمبی عمر میرے پاس باقی ہو گی۔ مصر میں ایک بار زلزلہ آیا، اس زلزلے میں زمین میں دب جانے والا ایک آدمی بہت لمبی مدت تک ملبے کے نیچے زندہ رہا۔ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس ہولناک زلزلے میں کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکتا، اور وہ بہت حیران ہوئے جب انہوں نے ملبے کے نیچے ایک زندہ شخص کو موجود پایا جب کہ موت کے تمام ذرائع وہاں موجود تھے لیکن پھر بھی اس کو موت نہیں آئی، اس کے ساتھ دو رشتہ دار خواتین اور بھی تھیں جو کہ دونوں ان ناقابل برداشت حالات کی وجہ سے فوت ہو چکی تھیں۔ لیکن اس شخص کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ کئی بار موت اتنی جلد اور اچانک آ جاتی ہے کہ آپ کو اس کے لیے کسی بھی قسم کی تیاری کرنے کا موقع نہیں ملتا، انڈیا کی فضائی حدود میں دو مسافر جہازوں کا ایک حادثہ ہوا ان دونوں مسافر جہازوں کے سامنے والے حصے سولہ سو میل فی گھنٹے کی مجموعی رفتار سے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ اس تصادم کا اندازہ آپ ہائی وے پر ہونے والے حادثات جو کہ زیادہ تر 60 میل فی گھنٹہ کی رفتار پر ہوتے ہیں سے لگا سکتے ہیں۔ ان جہازوں کے مسافروں کے لئے یہ ایسی موت تھی جو کہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں آ گئی۔ ایک ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو کھانے کا لقمہ بنائے اور پھر ابھی وہ اسے اپنے منہ تک بھی نہ لا سکے اور موت اسے دبوچ لے۔

مزے کو فنا کر دینے والی،

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مزے کو فنا کر دینے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ موت برحق ہے۔ حسن البصری فرماتے ہیں کہ میں نے آج تک موت سے زیادہ کوئی حقیقی، یقینی اور حتمی چیز نہیں دیکھی جسے لوگ شک و شبے والی چیز کے طور پر دیکھتے ہوں۔ مسلم یا غیر مسلم کوئی بھی موت سے انکار نہیں کر سکتا، کیا آپ نے کبھی ایسا انسان دیکھا جو کہ موت سے انکار کرتا ہو؟ ہم میں سے ہر کوئی جانتا ہے کہ ایک دن ہم سب مر جائیں گے، لیکن کیا ہم نے اس کیلئے کوئی تیاری کی؟ آپ جب لوگوں کو موت کی تیاری کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ عموماً صرف اس دنیا کی تیاری ہی ہوتی یعنی جنازہ، آخری رسومات اور کھانا پینا وغیرہ، موت میں دوسری طرف کیا ہو گا، یا اس کے لیے کیا تیاری کی جاتی ہے؟؟

موجودہ دور کہ ایک بہت بڑے افسانہ نگار اور دانشور سے جب اس کی موت سے کچھ ماہ پہلے یہ پوچھا گیا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ کے مرنے کے بعد کیا ہو گا؟ اس نے جواب دیا کچھ بھی نہیں۔ اس کا تمام علم، ذہانت اور دولت اسے اس جاھل اور مشرک عرب سے بھی ممتاز نہیں کر سکی جو کہ چودہ سو سال پہلے آیا تھا۔ اس کی تمام تر ذہانت اس کو اس جاھل عرب سے تھوڑا سا بھی اوپر نہیں اٹھا سکی۔ اللہ سبحانہ وتعالی ان کافروں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے، جب حقیقت ان کے سامنے منکشف ہو گی تو یہ لوگ کہیں گے کہ اگر ہمارے اندر کوئی بھی ذہانت یا سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو آج ہم جہنم کی اس آگ میں نہ ہوتے۔ یہ کس طرح کے دماغ ہیں؟؟ اللہ سبحان تعالی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس نے ہمیں یہ دماغ کیوں دیا، ہم نے تمہیں آنکھیں کان اور دماغ عطا کیا کیا تا کہ تم شکر گزاری کرو اور اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ کی عبادت کرنے کے لئے آنکھیں اور کان ان پٹ ہیں اور پھر دماغ اس ڈیٹا کو ہمارے لئے پروسیس کرتا ہے۔ اگر ہم ان تینوں کو صحیح طور پر استعمال کریں تو پھر لازمی ہم ایمان تک ضرور بلضرور پہنچ سکتے ہیں۔

ہم اپنی بات دوبارہ مزے کو فنا کر دینے والی یعنی موت کی جانب لے چلتے ہیں، اگر ہم موت کی حقیقت کو سمجھ لیں تو جو غفلت کے پردے ہماری آنکھوں پر پڑے ہیں وہ اتر جائیں گے ہم حقیقت کو دیکھ سکیں گے اس دنیا کی زیب و زینت اور بھوک ہمیں متاثر نہیں کر پائے گی۔ اس کے بغیر ہم سچائی کو نہیں جان سکتے۔

موت سے پہلے کچھ وقت ہوتا ہے جسے الحرار کہتے ہیں، یہ موت کی تیاری ہے اس دوران کچھ فرشتے نازل ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر اس کی جان نکال لیتے ہیں اور وہ اپنے فرائض میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ اس مرحلہ کے دوران جس بھی شخص کی موت آئی ہو وہ ان فرشتوں کو آتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب ایک مومن کی روح، اس دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف جا رہی ہو تو جو فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں ان کے چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں ان کے پاس جنت سے لائے کفن اور خوشبو موجود ہوتے ہیں، پھر ملک الموت نازل ہوتے ہیں اور اس نیک روح کو کہتے ہیں کہ اللہ کی خوشنودی اور مغفرت کی طرف نکل آؤ اور مومن شخص کی روح جسم سے اس طرح باہر آجاتی ہے جس طرح پانی برتن میں سے بہہ جائے۔ اور اللہ کے منکر کے لیے جب آخرت کا وقت آتا ہے تو خوفناک فرشتے اترتے ہیں جن کے پاس جہنم سے لایا ہوا کفن موجود ہوتا ہے، جب ملک الموت اعلان کرتا ہے کہ اے بدبخت روح اللہ کے غضب کی طرف باہر نکل تو وہ جسم میں بھاگنے لگتی ہے اور اس کو اس طرح قید کر کے نکالا جاتا ہے جس

طرح کسی کانٹے دار جھاڑی کو گیلی اون میں سے باہر کھینچا جائے۔ یہاں دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ مومن کو آسانی فراہم کرے گا جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے بے شک وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی ہمارا معبود ہے اور پھر جم جاتے ہیں، انہی پر فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے ڈرو مت اور غم نہ کرو تمہیں جنت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اس کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ یہ وہ نہیں جو کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے اور پھر کسی ٹیڑھے راستے کی طرف چل پڑے ایک دن روزہ چھوڑ دے اور دوسرے دن شراب پینے لگیں، نہیں بلکہ یہ جم جانے والے اور استقامت والے لوگ ہوں گے۔ کافر کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم دیکھو کہ جب فرشتے کافر کی روح نکالتے ہیں تو وہ اس کے چہروں اور پیٹھوں پر ضرب لگا رہے ہونگے اور کہیں گے بڑھکتی ہوئی آگ کی سزا کا مزا چکھو۔ یہ اس لئے ہے کہ جو تمہارے ہاتھوں نے کما کر آگے بھیجا اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا اور ناانصاف نہیں۔ اللہ آپ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کرے گا یہ آپ کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہو گی جو آپ کے سامنے آجائے گی۔ عطاء ابن رباح کا قول ہے موت کو یاد رکھنے کے تین بنیادی فائدے ہیں، نمبر 1 تجیل التوبہ یعنی توبہ کرنے میں جلدی کرنا، نمبر 2 ارد ا بلقلیل تھوڑے میں ہی مطمئن ہونا، یعنی جو کچھ بھی اللہ تعالی نے آپ کو عطا کیا ہو گا آپ اس میں خوش رہیں گے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ ایک عارضی ٹھکانہ ہے آپ کو ہمیشہ یہاں نہیں رہنا۔ لہذا آپ اس دنیا کو زیادہ اہمیت اور توجہ نہیں دیتے، جو بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ عطا کر دے، الحمدللہ۔ نمبر 3 دل کا سکون، آپ اس دنیا میں دنیا کی چیزوں کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ نہیں کریں گے، دنیا میں زیادہ تر پریشانی انہیں مادی اشیاء پر ایک دوسرے سے مقابلے کی وجہ سے ہے۔ یہ دنیا بڑی ہے اور ہماری خواہشات اس سے بھی بڑی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدم کے بیٹے کے پاس اگر سونے کی ایک پوری وادی بھی ہو تب بھی یہ ایک اور کی خواہش کرے گا اس کو کوئی چیز خوش نہیں کر سکے گی سوائے مٹی کے۔ اس لالچ کو صرف مٹی ہی ختم کر سکے گی۔ جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تب ہی ہماری ساری خواہشات ختم ہونگیں۔ یہ دنیا اس قابل نہیں کہ اس کے لئے لڑا جائے۔

سکرات الموت: موت کا غرّغرا۔

سکرات کا مطلب ہے نیم بیہوشی اور عقل و شعور کا ماؤف ہو جانا، ایک شخص جو کہ سکرات میں سے گزر رہا ہو وہ نیم بیہوشی اور غائب دماغی کے مختلف مرحلوں سے گزرے گا، جو کہ درد کی وجہ سے ہو گا۔ اللہ سبحان تعالی ارشاد فرماتا ہے اور موت کا غرغرا ایک حقیقت ہے یہی ہے جس سے تم آج تک بھاگتے رہے۔

موت ایک حقیقت ہے اور یہ ہم کو آکر رہے گی بے شک ہم اس سے جتنا بھی گریز کرتے رہیں۔ یہ ہم سب کے ساتھ ہو گا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی ہوا، ان کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا، وہ اپنا مبارک ہاتھ اس پیالے میں ڈبو کر اپنے چہرے پر ملتے تھے، اور پھر فرماتے تھے لا الہ الا اللہ۔ یہ ہے موت کی کیفیت حتیٰ کہ یہ سخت کیفیت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی محسوس کی، اب ذرا اندازہ کریں کہ میں اور آپ اس مرحلے پر کیا محسوس کریں گے۔؟؟ اور اللہ کا انکار کرنے والے کیا محسوس کریں گے اس بارے میں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ فرشتے اس موت کی سخت اذیت میں ان کافروں سے کہیں گے آج تمہیں پورا پورا بدلا دیا جائے گا جب بھی تم اللہ اور اس کے دین کے خلاف حق کے سوا بولتے تھے، تم اس کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے اب چکھو موت کے درد کا مزہ۔ اگرچہ کہ ہم میں سے ہر کوئی اس کیفیت میں سے گزرے گا لیکن اس کی بھی کچھ سطحیں ہیں۔ اللہ کے دشمنوں اور کافروں کو موت کے وقت سب سے زیادہ اذیت والا درد دیا جائے گا۔ کچھ اور لوگ ہیں جن کو کوئی بھی درد محسوس نہیں ہو گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے شہید کے لیے موت کا درد صرف ایسا ہو گا جیسے کوئی چیونٹی آپ کو کاٹ لے۔ اللہ سبحانہ تعالی نے اس شہید کے لئے بہت سے درجات رکھے ہیں، اس عزت افزائی سے کون دور بھاگنا چاہیے گا؟؟ جب آدمی اس دنیا کو چھوڑ جائے گا تو واپس آنا چاہے گا, جیسا کہ اگر وہ کافر ہو گا تو وہ مسلمان بننے کے لیے واپس آنا چاہے گا، اگر وہ گناہگار ہو گا تو توبہ کے لیے واپس آنا چاہیے گا اس بارے میں اللہ ارشاد فرماتا ہے ان میں سے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جب کبھی بھی موت کا وقت آجائے گا تو وہ کہے گا اے میرے رب مجھے واپس بھیج دے تا کہ جو بھی کام میں کیا کرتا تھا انہیں بہترین انداز سے درست کر سکوں، نہیں بلکہ یہ صرف اس کے منہ کی بات ہے جو یہ کر رہا ہے، ان کے پیچھے برزخ ہے یہاں تک کہ جب یہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

ان لوگوں کو اس دنیا میں موقع دیا گیا لیکن انہوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، اور اب جب بہت دیر ہو گئی تو یہ کہیں گے کہ ہمیں واپس بھیج دیں تا کہ ہم نیکیاں کما لیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ ان کے اور دنیا کے درمیان اب ایک رکاوٹ ہے، اور بہت دیر ہو چکی ہے۔ لیکن ابھی اس وقت ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ اللہ توبہ کو قبول کرتا ہے، تم میں سے اگر کوئی جہالت میں گناہ کر لیں اور پھر فوراً ہی پلٹ آئے، تو اللہ اس پر اپنا رحم نازل کرتا ہے۔ اور اللہ علم والا بھی ہے اور سب سے بہتر جاننے والا بھی۔ ابن کثیر لفظ فوراً کی تشریح میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا رہتا ہے جب تک کے ہم پر موت کا غرغرا

طاری نہیں ہوتا۔ اور کسی ایسے شخص کی توبہ کوئی اثر نہیں رکھتی جو ساری زندگی لگاتار بانگ دہل گناہ کرتا رہا ہو اور جب موت سامنے آجائے تو کہنے لگے کہ میں توبہ کرتا ہوں، اور کافروں کی توبہ بھی کوئی اثر نہیں رکھتی۔ اللہ سبحان تعالی ارشاد فرماتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے بدترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جب موت کا وقت آگیا پھر کوئی توبہ نہیں اور یہی فرعون نے کیا تھا۔ اس نے موت کو سامنے دیکھ کر آخری وقت میں کہالا الہ الا اللہ میں اسرائیل قوم کے خدا پر ایمان لاتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں، جہاں اللہ تعالیٰ جواب فرماتا ہے کہ اب ایمان لاتا ہے، جبکہ تو پہلے انکار کرتا رہا اور تو مفسدوں میں سے تھا۔۔۔۔۔ اللہ سبحانہ تعالی نے اس کی توبہ قبول نہیں کی کیونکہ بہت دیر ہو چکی تھی۔ چناچہ اللہ توبہ قبول کرتا ہے اس وقت تک کہ جب تک روح جسم سے نکلنے کا وقت نہ آجائے۔ اور موت اچانک آسکتی ہے یہ آنے سے پہلے کوئی نوٹس نہیں دیتی۔ یہ کسی بھی اعلان کے بغیر آجاتی ہے اور کوئی بھی ایسا طریقہ نہیں ہے جس سے اس کو تبدیل کیا جاسکے۔ بے شک آپ فرشتے کو راضی کرنے کی کی جتنی مرضی کوشش کریں، یا بے شک آپ جتنا چاہیں مصروف ہوں۔ اس لیے توبہ کا بہترین وقت یہی وقت اور لمحہ ہے، کیا ان لوگوں کے لیے یہ وقت ہی بہترین نہیں ہے کہ جو یہ مان رہے ہیں کہ اللہ اور آخرت کے ذکر سے ان کا دل نرم ہو چکا ہے۔ اپنی توبہ کو بلاوجہ تاخیر کا شکار نہ کریں، اگر آپ قرآن پڑھیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ جہنم کی آگ میں جلتے ہوئے ہوئے زیادہ تر جہنمی اسی تاخیر کی چیخ و پکار کر رہے ہونگے، وہ کہیں گے اے اللہ ہمیں واپس جانے دے کہ میں فلاں فلاں نیکی کر لوں، جبکہ دنیا میں وہ اچھے کاموں میں تاخیر کا شکار ہوتے رہے۔ جو شخص بھی دنیا میں اللہ تعالی سے ملاقات کا خواہاں اور منتظر رہا تو اللہ تعالی بھی اس سے ملنا پسند فرمائے گا۔ اور جو کوئی بھی اللہ تعالی سے ملنے کا شوق نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ جب بھی کوئی بات ان کو سمجھ نہیں آتی تھی تو وہ سوال کرتی تھیں، لہذا یہ سن کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، ہم میں سے کون ہے جو موت کو ناپسند نہ کرتا ہو؟؟ یعنی موت کو ناپسند کرنا کیا اس کے مترادف ہے کہ ہم اللہ سے ملنے کو ناپسند کر رہے ہیں؟؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کا یہ مطلب نہیں، بلکہ جب ایک مومن کی موت کا وقت آتا ہے اور اس کو بتایا جاتا ہے اللہ تعالی اس سے خوش اور راضی ہے، تو اسے اپنا مستقبل سب سے زیادہ عزیز تر ہو جاتا ہے پھر وہ اللہ سے ملنا پسند کرنے لگے گا اور اللہ بھی اس سے ملنا چاہئے گا۔ لیکن جب ایک منکر خدا کی موت کا وقت آتا ہے اور فرشتے اسے یہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ اس سے ناراض ہے اور اس کو سزا دے گا، تو وہ اللہ سے ملنا ناپسند کرے گا، اسی طرح اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں فرمائے گا۔ رسول اللہ فرماتے

ہیں کہ جب کچھ لوگ کسی شخص کے جنازے کو لے کر چلتے ہیں، اگر وہ شخص نیک ہو تو وہ کہتا ہے کہ جتنا تیز چل سکتے ہو چلو، اور اگر وہ بد بخت ہو تو کہتا ہے کہ ہائے افسوس مجھے کہاں لے جا رہے ہو، ہر زی روح اس کی یہ آواز سنتی ہے ماسوائے انسان کے اور اگر انسان اس مردے کی یہ آواز سن لیں تو صدمے کی شدت سے ہی مر جائیں۔ رسول اللہ مزید فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ تم اپنے مردے دفنانا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالی سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں قبروں کے اندر کی آوازیں اور حالات سنا دے۔


الآخرہ
دی آفٹر لائف
امام انور الولکی
HEAVEN
HELL
Chapter 2
مترجم: وقاص بن اکرم
معاون: فیصل بن نذیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الآخرہ دی آفٹر لائف cd2۔امام انور الولکی

موت:

عبد اللہ بن امام احمد، امام احمد کے بیٹے فرماتے ہیں کہ وہ وہاں موجود تھے جب ان کے والد فوت ہو رہے تھے اور ان کے والد سکرات الموت میں سے گزر رہے تھے جس میں انسان نیم بے ہوشی کی کیفیت میں ہوتا ہے۔اور بائی داوے جب آپ دنیا سے آخرت کی طرف جارہے ہوں تو یہ ایک بہت مشکل تبدیلی اور کیفیت ہوتی ہے آپ اس دنیا میں تقریبا ساٹھ یا ستر سال رہے ہوتے ہیں اور اب آپ ایک بالکل مختلف دنیا کی طرف جارہے ہوتے ہیں اور یہ تبدیلی اور مرحلہ ایک کافی مشکل امر ہوتا ہے۔اکثر اوقات یہ مرحلہ یکمشت ختم نہیں ہوتا اور انسان نہ ہی پوری طرح اس دنیا میں ہوتا ہے نہ دوسری دنیا میں اسی کیفیت کو سکرات الموت کہا جاتا ہے۔اس کو آسان زبان میں سمجھنے کے لیے ذرا نیند کا تصور کریں کیونکہ نیند ایک طرح کی چھوٹی موت ہے۔جیسا کہ اللہ تعالی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ تمہاری روحیں لے لیتا ہے جب تم سوتے ہو۔انسان جب سونے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے تب بھی وہ ایک ایسی کیفیت میں ہوتا ہے جب نہ تو وہ پوری طرح نیند میں ہوتا ہے اور نہ وہ پوری طرح جاگ رہا ہوتا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دہلیز پر کھڑا ہوتا ہے بالکل یہی کیفیت انسان کی موت سے پہلے ہوتی ہے آپ اس زندگی سے موت کی طرف جانے کی دہلیز پر کھڑے ہوتے ہیں اور اس کیفیت میں کچھ لمحے یا پل ایسے ہوتے ہیں کہ آپ دوسری دنیا میں ہوتے ہیں اور کچھ لمحے اور پل ایسے ہوتے ہیں کہ آپ اس دنیا میں ہوتے ہیں۔عبد اللہ بن امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب ان کے والد اس مرحلے اور دہلیز پر پہنچے تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا لا بعد لا بعد ابھی نہیں ابھی نہیں، عبد اللہ جو یہ سن رہے تھے وہ پریشان ہو گئے، ذرا تصور کریں کہ آپ کے والد اگر اس مرحلے پر یہ کہہ رہے ہوں تو آپ اس سے کیا اخذ کریں گے زیادہ تر لوگ تو یہی مطلب لیں گے کہ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا ابھی نہیں ابھی نہیں۔ظاہر ہے عبد اللہ بھی کافی پریشان ہوئے اور انہوں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ ابّا جان آپ نے یہ کیوں کہا کہ ابھی نہیں نہیں ابھی نہیں تو امام احمد نے جواب دیا کے شیطان بالکل میرے قریب کھڑا ہے اور اپنی انگلیاں چباتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ او احمد او احمد تو میرے ہاتھوں سے نکل گیا او احمد تو میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔جس کے جواب میں، میں نے اسے کہا کہ نہیں ابھی نہیں ابھی نہیں جب تک کہ میری روح جسم سے نکل نہیں جاتی میری اور تمہاری لڑائی ابھی بھی جاری ہے جب

تک کہ میں مر نہیں جاتا۔ اس وقت شیطان غصے میں اپنی انگلیاں چبا رہا تھا کہ امام احمد اس کے ہاتھ سے نکل گئے اور امام احمد دیکھیں کہ وہ آخر تک یہی کہہ رہے تھے کہ ابھی نہیں نہیں نہیں ابھی نہیں۔ اس سے ایمان والوں کا عمومی کردار معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخر تک شیطان سے لڑتے رہتے ہیں اور کبھی ہتھیار نہیں ڈالتے یہاں تک کہ موت واقع ہو جائے۔ ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں کہ شیطان بھی یہ جانتا ہے کہ اس کا یہ آپ کے ساتھ آخری موقع ہے اور اگر اس موقع پر وہ آپ کو نہیں پکڑ سکا تو آپ اس کے ہاتھ سے نکل گے، جیسا کہ اگر ہم تکبر کی وجہ سے اگر یہ کہہ دیں کے ہاں ہم تیرے ہاتھ سے نکل گئے کیونکہ وہ آپ کا آخری عمل ہو گا اور اس کے برعکس اگر آپ اس موقع پر بھکنے سے بچ گئے تو پھر آپ واقعی اس کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ اسی لیے شیطان کے لیے یہ موقع بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور وہ اپنی پوری قوت اس میں صرف کر دیتا ہے۔ اور اس کیفیت میں اس سے بچ نکلنا واقعی بہت مشکل کام ہے۔ ذرا سوچیں کہ اگر آپ زندگی کے عام اور آسان حالات میں ہی شیطان کے ساتھ لڑائی میں پے در پے شکست کھا رہے ہوں جبکہ شیطان ابھی آپ پر اپنی آدھی توجہ بھی نہیں لگا رہا تو اس وقت کیا حال ہو گا جب شیطان اپنی پوری قوت کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہو جائے گا۔ پھر یہ ہو سکتا ہے کہ آپ آخری موقع پر بھی شکست کھا جائیں اور خدانخواستہ اگر یہ ہو تو یہ بہت ہی خطرناک بات ہے۔

یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے اسی لیے ہم اپنی نمازوں میں اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں کہ زندگی اور موت کے فتنے سے ہم تیری پناہ مانگتے ہیں۔

برے انجام کی وجوہات

اب ہم بات کرتے ہیں اسباب سوالخاتمہ یعنی بری موت کی وجوہات کے بارے میں۔ آپ کی زندگی کا سب سے اہم مرحلہ موت ہے، کیونکہ آپ جس طرح کے آخری اعمال کے ساتھ مرتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اگر آپ احرام کی حالت میں تلبیہ کہتے ہوئے اور حج کرتے ہوئے فوت ہو جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کے آپ قیامت کے دن اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ آپ کہہ رہے ہوں گے لبیک اللہم لبیک یعنی انسان جو کچھ کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے مرے گا اسی پر دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میرے آخری اعمال کو میری زندگی کے بہترین

اعمال بنادے۔ پھر اور فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص اپنی پوری زندگی جنتی لوگوں کے اعمال میں گزارے گا یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ رہ جائے گا اور آخر میں وہ جہنمی لوگوں کے اعمال کر گزرے گا اور انہی پر موت آ جائے گی اور وہ جہنم کی آگ میں چلا جائے گا۔ اسی کے برعکس اگر کوئی شخص پوری زندگی برائی کرتا رہا مگر اپنی موت کے وقت اچھے اعمال پر مر گیا تو وہ جنت چلا جائے گا۔ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اچھی موت اور انجام کی دعا کرتے ہیں۔ آمین

برے اختتام کی وجوہات کیا ہیں؟

1۔ الفساد فی الاعتقاد

عقیدے کی بد عنوانی اور عیب، اس کی مشابہت اس سے دی جا سکتی ہے کہ آپ نے ایک کمپیوٹر خریدا اور اس پر کام کیا۔ یہ کچھ مہینے تک تو صحیح طور پر کام کرتا رہا، پھر آپ نے اس پر کوئی بھاری بھرکم سوفٹویر چلانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں یہ ناکام ہو کر خراب ہو گیا۔ پھر آپ کو معلوم ہوا کہ اس میں پہلے دن سے ہی خرابی موجود تھی۔ اس کی یہ خرابی سامنے نہ آ سکی کیونکہ آپ اس کو بڑے دیکھ بھال کر اچھے طریقے اور نرمی سے استعمال کرتے رہے لیکن جوں ہی آپ نے اس کو پرکھنے کے لیے اس پر کوئی بڑا سوفٹویر چلانے کی کوشش کی تو اس کی یہی خرابی سامنے آ گئی، اب تک آپ یہی سمجھتے رہے کہ یہ بالکل نیا تھا اور اس میں کسی بھی قسم کی خرابی نہیں تھی، لیکن اس میں ایک خرابی چھپی ہوئی تھی۔ بالکل اسی طرح آپ سوچ سکتے ہیں کہ آپ بالکل صحیح ہیں اور آپ کا عقیدہ بھی بالکل پرفیکٹ ہے۔ لیکن آپ کے دل کے کسی کونے میں کچھ شبہات ہو سکتے ہیں مثلاً اللہ کے بارے میں انبیاء کے بارے میں، اسی دوران موت آ جاتی ہے اور شیطان اپنے آخری موقع کے طور پر آپ کو امتحان سے گزارتا ہے تو یہ خرابی اور شبہات عین اس وقت سامنے آ جاتے ہیں جو اب تک چھپے ہوئے تھے۔ اور جب آپ کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کے ایمان اور عقیدے میں خرابی ہے تو آپ پورے ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اپنا سب کچھ گنوا کر اپنی پوری زندگی کی لڑائی ہار بیٹھتے ہیں۔ اسی لئے ابن قیم رح فرماتے ہیں کے ہم اللہ کے رحم پر ایمان رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اللہ آخری وقت میں کسی کو گمراہ نہیں کرتا، اگر وہ شخص خود سیدھے راستے پر زندگی گزارتا رہا ہو گا۔ اگر اس کا انجام اس کے برعکس ہو تو اس کا مطلب کہ اس شخص میں ہی خرابی تھی جو اس آخری موقع پر اس کے سامنے آ گئی۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہہ دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے کون سے لوگ بدترین نقصان اٹھانے والے ہیں؟ وہ جن کی ساری دوڑ دھوپ اس دنیا کی زندگی کے لیے ہی ضائع ہو گی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ تو بہت اچھے

کام کررہے ہیں۔ سب سے زیادہ نقصان میں یہی لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم سب اچھا کررہے ہیں جبکہ وہ غلط ہوتے ہیں۔ آپ کچھ لوگ دیکھ سکتے ہیں جو بظاہر بڑے نیک لگتے ہیں لیکن وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر نہیں ہوتے تو ان کا یہ سب ناقابل قبول ہو سکتا ہے۔

2۔ العدول الاستقامہ

صراط مستقیم اور سیدھی راہ سے ہٹ جانا۔

ایک شخص سیدھے راستے پر ہو سکتا ہے لیکن پھر وہ فیصلہ کرتا ہے رستے پر ایک چھوٹا سا موڑ لینے کا، اس کا یہ خفیف سا موڑ ریل گاڑی کے کانٹے کی طرح ہوتا ہے جو کہ ایک بہت معمولی سی تبدیلی سے سٹارٹ ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا جاتا ہے وہ اصل راستے سے بہت دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ابلیس شیطان بھی بہت نیک مخلوق میں سے تھا، پھر اس نے ایک چھوٹی سی غلطی کی لیکن اس کی اس غلطی کی وجہ بہت بڑی تھی جو تھی تکبر اسی وجہ سے وہ پھر بدترین مخلوق کے درجے پر چلا گیا۔

اللہ فرماتا ہے اور ان کو اس شخص کا قصہ سناو اس کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں لیکن اس نے ان کو پس پشت ڈال دیا پھر شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور پھر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا، اور اگر ہم چاہتے تو ہم اسے اس سے ضرور بلند کر دیتے لیکن وہ زمین سے چمٹ گیا اور اپنی ہی خواہشات پر عمل پیرا رہا۔ دیکھیے اس شخص کو اللہ تعالی نے اپنی نشانیاں اور آیات عطا کی تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو ان آیات سے جدا کر لیا اور اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے چل پڑا، یعنی اللہ نے اس کو علم عطا کیا تھا لیکن وہ دنیا کی خواہش کے پیچھے چلتا ہوا گمراہ ہو گیا۔ یہ اسلام کے بنیادی اساس کے منافی ہے۔ اسلام اپنے آپ کو اللہ کے تابع کرنے کا نام ہے۔ آپ اپنی مرضی اور خواہشات کے خلاف ہو کر بھی اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ آپ اپنی خواہشات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کرتے کہ اسلام کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیں بلکہ ہم اپنے آپ کو تبدیل کرتے ہیں تاکہ ہم اپنے آپ کو اسلام کے مطابق ڈھال سکیں۔ ہم اسلام میں فٹ ہونے کے لئے اپنی کرداروں کو تبدیل کرتے ہیں۔ اسلام مکمل طور پر سر تسلیم خم کرنے ہی کا نام ہے۔ اس شخص کے پاس علم تھا لیکن اس کے علم نے اس کو کچھ فائدہ نہیں دیا کیونکہ اس نے اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جس چیز کا مجھے تم میں سب سے زیادہ خوف ہے وہ ایک آدمی ہے جو قرآن کریم حفظ کرتا ہے یہاں تک کہ قرآن کا نور اس کے چہرے پر روشن ہو جائے اور پھر وہ اللہ کی آیت سے خود کو الگ کر دے۔ پھر وہ اپنے

پڑوسی پر طعن کرتا ہے اور اس پر شرک کا الزام لگا دیتا ہے حذیفہ ابن الیمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ان میں سے مشرک کون ہے؟ الزام لگانے والا یا ملزم؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا الزام لگانے والا وہ شخص فتنہ میں پڑ گیا اور اس نے اپنے پڑوسی پر شرک کا الزام لگایا اور وہ خود مشرک ہو گیا۔

3۔ برسیسہ کی کہانی

وہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا اور ایک مشہور عابد، عبادت گزار تھا اس کا اپنا ہیکل تھا اور عبادت کے لیے اس نے خود کو وقف کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے تین آدمیوں کو جنگ کے لئے جانا پڑا اور ان کو یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی بہن کو کس کے پاس اور کہاں چھوڑیں وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ انہوں نے آس پاس دیکھا اور پتہ چلا کہ اسے چھوڑنے کے لئے سب سے اچھی جگہ عابد کے ساتھ ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ وہ بہن کو عابد کے ساتھ چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ سب سے زیادہ نیک اور امانت دار ہے۔ وہ عابد برسیسہ کے پاس گے اور اسے صورتحال سے آگاہ کیا اور کہا، کیا آپ ہماری بہن کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں؟ عابد نے جواب دیا۔۔۔ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اور انہیں واپس بھیج دیا۔ تب شیطان برسیسہ کے پاس آیا اور کہا کہ تم ان کی بہن کو کس کے پاس رہنے دو گے اگر تم اس کی دیکھ بھال نہیں کرو گے تو کوئی بدمعاش یا برا شخص اس کی دیکھ بھال کر سکتا ہے، اور تم جانتے ہو کہ پھر کیا ہو گا۔ تم کیوں ایک اچھے اور نیک کام کو اپنے ہاتھ سے جانے دے رہے ہو؟ شیطان نے برسیسہ کو اچھائی اور نیکی کی ترغیب دی برسیسہ نے لڑکی کے بھائیوں کو واپس بلایا اور کہا کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرنے کو تیار ہے۔ لیکن وہ وہاں اس گھر میں رہے گی اور میں یہاں اپنے کلیسا اور ہیکل میں۔ چناچہ وہ اس گھر میں رہنے لگی اب برسیسہ کھانا لے کر آتا اور اسے اپنی ہی دہلیز پر چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ اس کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ باہر آتی اور اپنا کھانا لیتی، اب شیطان دوبارہ برسیسہ کے پاس آیا اور کہنے لگا یہ تم کیا کر رہے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اپنے کمرے سے نکل کر تمہاری دہلیز تک آتی ہے تو لوگ اسے دیکھ سکتے ہیں تمہیں کھانا اس کی دہلیز تک پہنچانا چاہیے۔ برسیسہ نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔ شیطان برسیسہ کے آمنے سامنے بات نہیں کر رہا تھا یہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا تھا۔ برسیسہ نے کھانا اس لڑکی کی دہلیز تک پہنچانا شروع کر دیا یوں ہی کچھ عرصہ چلتا رہا۔ پھر شیطان نے اس کے دل میں ڈالا کہ وہ لڑکی پلیٹ لینے باہر آرہی ہے اور اب بھی کوئی اسے دیکھ سکتا ہے آپ کو پلیٹ اس کے کمرے تک پہنچانی چاہیے، اب برسیسہ کھانا کمرے تک لے جانے لگا اور کچھ عرصہ یوں ہی چلتا رہا۔ اس لڑکی کے تینوں بھائیوں کو گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی شیطان ایک بار پھر عابد کے پاس آیا اور اسے

کہنے لگا کیا تم لڑکی کو اکیلا چھوڑ دو گے اس کا خیال رکھنے والا کوئی بھی نہیں اسے اتنا عرصہ اکیلے ہو چکا ہے اور اس کا دل بہلانے والا کوئی نہیں، یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ ایک قید میں ہو۔ تم یہ ذمہ داری کیوں نہیں لیتے اور اس سے تھوڑا بات چیت کیوں نہیں کرتے اگر تم یہ نہیں کرو گے تو وہ باہر جا کر کسی بھی آدمی سے بات کر سکتی ہے اور اس کے ساتھ تعلق بنا سکتی ہے، اور پھر تم جانتے ہو کہ آگے کیا ہو گا۔ تو برسیسہ باہر جا کر اب اس لڑکی سے بات چیت کرنے لگا۔ وہ باہر سے بات کرتا اور وہ اپنے کمرے کے اندر سے جواب دیتی وہ دونوں کافی اونچی آواز میں بات کرتے رہے۔ اب کی بار شیطان پھر وارد ہوا اور اس نے اسے کہا کہ تم ایک دوسرے کے لئے اسے تھوڑا سا آسان کیوں نہیں بناتے ایک دوسرے پر چیخو مت ایک ہی کمرے میں بیٹھ کر بات چیت کر لو۔ لہذا اب برسیسہ کمرے کے اندر چلا جاتا اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگے۔ وہ اس وقت تک ایک دوسرے کے قریب آتے رہے جب تک کہ عابد نے زنا کا ارتکاب نہیں کر لیا۔ وہ لڑکی حاملہ ہو گئی اور اس نے ایک بچہ جنا، اب کی بار شیطان پھر برسیسہ کے پاس آیا اور کہنے لگا یہ تم نے کیا کیا؟ تم جانتے ہو کہ جب اس کے بھائی آئیں گے تو وہ تمہارا کیا حال کریں گے؟، وہ تمہیں قتل کر دینگے اور اگر تم یہ بھی کہہ دو کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہماری بہن تو تمہاری ذمہ داری میں تھی۔ اب اس مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ تم بچے کو قتل کر کے وہیں دفن کر دو۔ اور برسیسہ نے من وعن ہو بہو ویسا ہی کیا بچے کا سر کاٹ کر وہیں دفن کر دیا۔ اب کی بار شیطان جب اس کے پاس آیا تو کہنے لگا کیا تمہیں لگتا ہے کہ ایک ماں یہ راز راز رکھ پائے گی کہ تم نے اس کے بچے کو اسی کے سامنے مار ڈالا، اگر تم یہ سمجھتے ہو تو تم تو بہت بڑے بے وقوف ہو۔ لہذا اس لڑکی کو بھی مار ڈالو۔ برسیسہ نے ایسا ہی کیا اس لڑکی کو مار کر اسے بھی وہیں دفن کر دیا۔ جب اس لڑکی کے بھائی واپس آئے اور انہوں نے کہا ہماری بہن کہاں ہے؟ تو عابد نے جواب دیا، ان للہ وانا الیہ راجعون وہ بیمار تھی اور وہ فوت ہو گئی پھر ان کو ایک فرضی قبر دکھا دی جہاں انہوں نے بھی پڑھا ان للہ وانا الیہ راجعون اور انہوں نے اس کے لئے دعائیں کیں اور چلے گئے۔ اب رات کے وقت ایک بھائی نے ایک خواب دیکھا اور اس خواب میں کون اس کے پاس آیا، وہی شیطان اب کی بار اس نے کہا کہ آپ نے برسیسہ پر یقین کر لیا، وہ جھوٹ بول رہا ہے اس نے آپ کی بہن کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا اور پھر اس نے اس کو اور اس کے بیٹے کو مار ڈالا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کو اس جگہ دفن نہیں کیا گیا جو جگہ اس نے آپ کو دکھای ہے بلکہ وہ جس کمرے میں رہتی تھی اسی کمرے میں دفن ہے۔ اب وہ بھائی جاگا اور اس نے اپنے اس خواب کا دوسرے بھائیوں سے ذکر کیا، پھر وہ اس فرضی قبر کے پاس اور پھر بہن کے کمرے میں گئے اور وہاں اپنی بہن کو ایک بچے کے ساتھ دفن پایا۔

اب انھوں نے برسیسہ کو گرفتار کیا اور کہا تم جھوٹے ہو دیکھو تم نے کیا کیا اور اسے بادشاہ کے پاس لے جانے لگے۔ جب وہ اسے بادشاہ کے پاس لے جا رہے تھے تو شیطان پھر برسیسہ کے پاس آیا اور برسیسہ سے بولا کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ میں شیطان ہوں اور میں نے ہی تمہیں اس ساری مشکل میں پھنسایا ہے اور اب میں ہی تمہیں اس مشکل سے نکال سکتا ہوں اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بچاؤں۔ برسیسہ نے فوراً جواب دیا برائے مہربانی مجھے بچا لو۔ شیطان نے کہا کہ میرے لئے سجدہ کرو۔ اور جب برسیسہ نے شیطان کے لیے سجدہ کیا تو شیطان نے اسے کہا بہت بہت شکریہ آپ سے مل کر خوشی ہوئی اور پھر اس نے اسے دوبارہ کبھی نہیں دیکھا۔

برسیسہ نے شیطان کے لئے سجدہ کیا اور یہ آخری کام تھا جو اس نے اپنی زندگی میں کیا کیونکہ اس کے فوراً بعد ہی اسے پھانسی دے دی گئی۔ اس نے اپنی زندگی کا آخری کام جو کیا وہ شیطان کے لئے ایک سجدہ تھا۔ یہ ایک بہت نیک اور عبادت گزار عابد تھا جو بالکل سیدھے رستے پر تھا بس اس نے اس رستے پر ایک چھوٹا سا موڑ لیا وہ بھی نیکی کے ارادے سے اور دیکھیں کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کا یہی خطرہ ہے۔ بعض اوقات ہم اپنے علم یا قرآن مجید کی وجہ سے یا عبادت کی وجہ سے پر اعتماد محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ ہمیشہ ہمیں ڈرتے رہنا چاہئے اور کبھی بھی حد سے زیادہ پر اعتماد نہیں ہونا چاہیے۔ یہی اصل علم ہے اور جن کے پاس اللہ کی خشیت ہوتی ہے وہی اصل عالم ہوتے ہیں۔ بصورت دیگر یہ علم صرف الفاظ کا حفظ کرنا ہی ہے۔ چناچہ وہ کونسی پالیسی ہے جو شیطان نے برسیسہ پر اپلائی کی؟ اگر شیطان پہلی دفعہ برسیسہ کے پاس آکر اسے سجدہ کرنے کو کہتا تو کیا برسیسہ اس کا یہ حکم مانتا؟ کبھی نہیں۔۔۔۔ شیطان نے قدم بقدم دھیرے دھیرے راستہ تبدیل کرنے کی پالیسی اپنائی۔

ابو ابن عبد الرحیم ابن جوزی فرماتے ہیں کہ سال 270 ہجری میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو ابن عبد الرحیم تھا۔ رومیوں کی سلطنت کے خلاف لڑنے والی فوجوں میں سے ایک لڑاکا سپاہی تھا۔ ان کی ایک جنگ میں جب وہ ایک رومن قلعے کو گھیرے کھڑے تھے، تو اس شخص نے ایک عورت کو دیکھا یہ اس کے لئے فتنہ تھا اور اس سپاہی نے اس عورت کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی، اس نے پوچھا کہ میں قلعے کے اندر کیسے آسکتا ہوں۔ اس عورت نے جواب دیا کہ عیسائی ہو جاؤ تو میں تمہیں اندر لا سکتی ہوں۔ چناچہ وہ عیسائی ہو گیا اور دوسرے ہی دن اچانک اس کے ساتھیوں نے مخالف سمت سے اسے فوج میں پایا اس بات نے ان کو بہت افسردہ کر دیا۔ یہ شخص ایک طویل عرصے سے ان کے ساتھ تھا اسے قرآن پر عبور تھا اور علم بھی بہت تھا اور پھر اچانک وہ دین کو چھوڑ بیٹھا اور ایک

عورت کے پیچھے عیسائی بن گیا۔ دس سال کے عرصے کے بعد کچھ مسلمان جو اس شخص کو جانتے تھے اسی رومن قلعے کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس شخص کو دیکھا اور کہا کہ ہمارے ساتھ چلو، اس نے جواب دیا نہیں میں یہاں بس چکا ہوں اور شادی شدہ ہوں، میرے بچے بھی ہیں اور کاروبار بھی۔ مسلمانوں نے اس سے پوچھا تمہارے علم کا کیا ہوا؟ اور تمہارے قرآن کا کیا ہوا؟ اس کا جواب آیا کہ میں سب بھول چکا ہوں میں سارا قرآن بھی بھول چکا ہوں سوائے ایک اس آیت کے۔۔۔ "ایک دن غیر مسلموں کی خواہش ہو گی کہ وہ ایمان والے مسلم ہوتے ان کو کھانے اور لطف اٹھانے دو اور جھوٹی امید کی طرف مائل رہنے دو یہ خود ہی جان جائیں گے"۔

جب آپ سیدھے راستے کو چھوڑ دیتے ہیں تو یہی ہوتا ہے وہ شخص بہت علم والا تھا لیکن اس نے سیدھا رستہ چھوڑ دیا۔ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان کو کوئی ایسی نصیحت کریں جو ان کے لیے کافی ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر سیدھے رستے پر جم جاؤ قل امنت باللہ ثم استقم۔

کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم سیدھے رستے پر قائم رہیں۔ یہی امتحان ہے اور اسی میں زیادہ تر لوگ ناکام ہو جاتے ہیں۔ وہ سیدھے راستے پر چلتے ہیں لیکن پھر اس دنیا میں تبدیلی کی ہوائیں انہیں دائیں سے بائیں لے جاتی ہیں۔ یہ اللہ کی خشیت ہے۔ آپ کو حقیقت معلوم ہے، اور آپ کو اس قدر پریشانی لاحق ہے کہ آپ دن میں سترہ بار اللہ سے دعا مانگتے ہیں ہیں یا اللہ ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں تو سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کر۔ ہم اللہ سے سترہ مرتبہ فرائض میں یہ دعا مانگتے ہیں اور ہم اس کو نوافل میں بھی دوھراتے ہیں۔ ہم کیوں اس آیت کو بار بار دہرا رہے ہیں کیونکہ سیدھے رستے پر رہنا بہت ہی زیادہ ضروری ہے۔

3. گناہوں پر اصرار

ہو سکتا ہے کوئی شخص چھوٹا سا گناہ کر رہا ہو، لیکن علمائے کرام کا کہنا ہے کہ چھوٹے گناہ کو بار بار کرنا اور اس پر اصرار کرتے رہنا ایک بڑا گناہ بن جاتا ہے۔ امام اذہبی اپنی کتاب الکبائر میں برے انجام کے متعلق بات کرتے ہیں۔ ایک شخص تھا جسے شطرنج کھیلنے کا جنون کی حد تک شوق تھا یہاں تک کہ جب اس کی موت کا وقت آیا تو لوگ اس کو تلقین کرتے رہے کہ کہو لا الہ اللہ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا اور جسم سے روح نکلنے تک وہ یہی دوہراتا اور پکارتا رہا چیک میٹ چیک میٹ یہاں تک کہ اسی عمل پر مر گیا۔ امام ایک اور شخص کے

بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ آخر میں کہتا رہا کہ مجھے بوتل دو مجھے بوتل دو، کیوں کہ یہ شخص شراب نوشی کا رسیا تھا۔ ایک اور شخص تھا جو کہ اکاؤنٹنٹ تھا وہ صرف نمبرز پکارتا رہا10 11 12۔

ابن قیم ایک اور شخص کی کہانی بیان کرتے ہیں کہ اس سے جب لا الا اللہ کی تلقین کی گئی تو اس نے کہا کہ میں نہیں کر سکتا، اس کی زبان میں کوئی طبعی مسئلہ بالکل نہیں تھا وہ روانی سے بول سکتا تھا، لیکن وہ لا الہ اللہ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ اللہ نے اسے یہ توفیق عطا نہیں کی۔ اس کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ سونے کے لئے اپنے بستر پر جاتے ہیں تو آپ کن چیزوں کے خواب دیکھتے ہیں؟ زیادہ تر یہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کے متعلق سوچتے ہوئے آپ نے اپنا دن گزارا ہو۔ اگر آپ کسی چیز کے بارے میں دن بھر سوچتے رہے ہوں تو زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ چیز رات کو آپ کے خواب میں اثر انداز ہو سکتی ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ آپ کے دماغ میں زیادہ تر کیا رہتا ہے؟ اس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ جانیے کے صبح کے وقت سب سے پہلے آپ کے دماغ میں کس چیز کا خیال آتا ہے۔ موت نیند ہی کی طرح ہے، نیند کو چھوٹی موت کہا جا سکتا ہے اور جب آپ نیند کی کیفیت سے نکل کر بیداری کی طرف جاتے ہیں تو اس کو سکرات الموت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ لہذا جو خیالات آپ کے ذہنوں میں روزمرہ زندگی کے دوران چل رہے ہوتے ہیں وہی خیالات آپ کی زندگی کے آخری لمحات میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ ہم ہمیشہ سوچتے ہیں کہ ہم ویسے جی سکتے ہیں جیسے ہم چاہتے ہیں اور جتنے مرضی گناہ ہم چاہتے ہیں کر سکتے ہیں اور موت سے صرف پانچ منٹ پہلے ہم کلمہ پڑھ کر اور اللہ کی گواہی دے کر جنت کو اپنے لئے واجب کر لیں گے۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ اللہ کے خلاف تدبیر کر رہے ہوں، کیوں؟ کیونکہ آپ اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک اللہ کی عبادت نہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اللہ ہمیں دن رات اپنی عبادت کرنے کا کہہ رہا ہے اور ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالی کو چکمہ دے کر اپنے آخری وقت میں توبہ کر لیں گے۔ قرآن کی ایک آیت ہے کہ وہ منصوبے بنا رہے ہیں اور اللہ بھی منصوبہ بنا رہا ہے، اور بیشک اللہ بہترین منصوبہ ساز ہے۔

ایک دور حاضر کے عالم دین بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک شخص سے ملاقات کرنے گئے جو قریب المرگ تھا، جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کے سب گھر والے ام کلثوم جو کہ ایک سنگر ہے اس کا میوزک سن رہے ہیں۔ میوزک کافی اونچی آواز میں چل رہا تھا۔ وہ شیخ بولے اللہ تعالی سے ڈرو یہ آدمی مر رہا ہے اور تم لوگ گانے سن رہے ہو۔ بہر کیف اس نصیحت کے بعد لوگوں نے میوزک بند کر

دیا اور قرآن پاک کی تلاوت لگادی، لیکن جب اس مرنے والے بوڑھے نے قرآن سنا تو چلا کر کہا کہ اس کو بند کرو اور ام کلثوم کا میوزک دوبارہ چلادو کیونکہ وہ میرے دل کو سکون دیتا ہے، تھوڑی ہی دیر بعد وہ مر گیا۔ جس چیز کو آپ زندگی میں مسلسل کرتے ہوئے بڑے ہوتے ہیں زیادہ تر امکان یہی ہے کہ آپ کی موت بھی اسی چیز پر ہوگی۔ کبھی یہ نہ سوچیں کہ آپ اللہ کو چکما دے دیں گے، آپ کے دل میں ہر وقت اللہ کی خشیت ہونی چاہیے۔ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے لوگ وہی ہیں جو اللہ کی سزا سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالی کی خشیت ایک مسلمان کی شخصیت کا لازمی جز ہوتا ہے، مسلمان ہونے کے لئے آپ کو لازم طور پر اپنے دل میں اللہ سے ڈرنا ہوگا۔

4۔ زوف الایمان۔ ایمان کی کمزوری

سلمان ابن عبد المالک مسلمان دنیا کے ایک خلیفہ، مکہ اور مدینہ کی طرف گئے اور پوچھا یہاں کوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے ملا ہے ؟ لوگوں نے کہا ہاں ابو حازم، خلیفہ نے کہا کہ ان کو بلاؤ۔ تو لوگوں نے ابو حازم کو بلا لیا، خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں ؟ ابو حازم نے جواب دیا کیونکہ تم نے اپنی یہ دنیا بنائی اور قائم کی ہے جبکہ آخرت کو برباد کر دیا، اسی لئے اب تم اس جگہ سے جو قائم ہو چکی اس جگہ نہیں جانا چاہتے جو برباد ہو چکی۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر آپ آخرت کی تیاری نہیں کر رہے تو آپ آخرت میں جانا بھی کیوں چاہیں گے ؟۔ جب ہم اسی دنیا سے دلی محبت کرتے ہوں تو ہم آخرت میں نہیں جانا چاہیں گے۔ اسی لئے علماء بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنے دل سے اس دنیا ہی کو چاہنے لگے، تو جب ان کی موت کا وقت آتا ہے اور انہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ کر اب آخرت کی طرف جا رہے ہیں تو وہ اس دنیا میں جن چیزوں سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہوتے ہیں ان کو یاد کرتے ہیں اور جو ان کو ان کی ان چیزوں سے جدا کر رہا ہوں اس سے نفرت محسوس کرتے ہیں یعنی اللہ تعالی۔ اور اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ خلود فی نار یعنی جہنم میں دائمی عذاب کے مترادف ہے، کیونکہ اگر آپ اللہ سے ملنے سے نفرت کرتے ہیں تو لہذا اللہ آپ سے ملنے سے نفرت کرے گا۔

جب معاذ ابن جبل کا انتقال ہو رہا تھا تو انہوں نے کہا خوش آمدید موت ایک لمبے عرصے سے میں آپ کا انتظار کر رہا تھا اور اللہ کے جو وعدے میرے ساتھ تھے ان کا منتظر تھا، خوش آمدید موت۔ وہ بہت خوش تھے، انہوں نے موت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے

موت یہ نہ سوچنا کہ میں اس دنیا میں کبھی دنیا کی محبت کی خاطر رہنا چاہتا تھا،ہاں میں چاہتا تھا کہ یہاں سخت گرمی کے روزے رکھوں اور سردیوں میں لمبی اور ٹھنڈی راتوں میں اللہ کی عبادت کروں۔ اور اب جب جانے کا وقت ہے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں، میری روح لے چلو۔ وہ اللہ سے ملنا چاہتے تھے لہذا اللہ بھی ضرور ان سے ملنا چاہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو وفات سے پہلے جنت میں اپنا مقام دکھا دیا جاتا ہے اور پھر اسے اس دنیا میں رہنے یا مرنے کے انتخاب کا اختیار دیا جاتا ہے۔ لہذا انبیاء کو انتخاب کا اختیار ہوتا ہے، یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو رہے تھے تو ان کا سر مبارک میری گود میں تھا وہ موت کی بیہوشی میں چلے جاتے تھے اور پھر جاگ جاتے تھے، پھر انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا اے اللہ سب سے بہترین ساتھی کے ساتھ، عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ وہ اس لمحے جانتی تھیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو انتخاب دیا جا رہا ہے اور وہ ہمیں منتخب نہیں کر رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موت کے فرشتے نے انتخاب دیا تھا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ رہے تھے کہ وہ اللہ کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور یہ آخری بات تھی جو انہوں نے کہی صحیح بخاری۔


الآخرہ
دی آفٹر لائف
امام انور الولکی
HEAVEN
GRAND CENTRAL
HELL
Chapter 3
مترجم: وقاص بن اکرم
معاون: فیصل بن نذیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الآخرہ دی آفٹر لائف cd3 امام انور الولکی

جب روح جسم کو چھوڑ دے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم ایک لمبی حدیث میں ہمیں جسم سے روح نکلنے اور جو سفر روح طے کرتی ہے اس کے بارے میں بتاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ایک مومن انسان فوت ہو رہا ہوتا ہے، تو فرشتے اس طرح سے نیچے اترتے ہیں کہ ان کے پاس جنت سے لایا ہوا ایک کفن اور کچھ خوشبو موجود ہوتی ہے، وہ اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ملک الموت یعنی موت کا فرشتہ اترتا ہے اور اس مومن شخص سے کلام کرتا ہے، خوش اور راضی ہو جاؤ، اللہ کے اس وعدے سے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا۔ اے اطمینان بخش روح اس خوشی کی طرف نکل آؤ جو اللہ سبحان وتعالی کی طرف سے تمہیں فراہم کی جائے گی۔ پھر رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی روح اس کے جسم سے اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے جس طرح پانی کی ایک بوند برتن سے نیچے کی طرف بہہ جائے، یہ اسی طرح جسم سے پھسلتی ہوئی باہر آجاتی ہے۔ اور جیسے ہی موت کا فرشتہ اس روح کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، سامنے بیٹھے فرشتے سب کو دوڑتے ہیں، ان میں سے ہر ایک اس روح کو تھامنے اور اس کو جنت سے لائے ہوئے کپڑے میں لپیٹنے کا اعزاز حاصل کرنا چاہے گا۔ اور پھر وہ اسے وہاں سے آسمانوں کی طرف لے چلیں گے۔ آسمانوں کے راستے جب بھی وہ کسی فرشتوں کے گروہ کے قریب سے گزریں گے تو وہ گروہ جنت سے لائی ہوئی دلفریب خوشبو کو سونگھ کر یہ سوال کریں گے کہ یہ کس نیکبخت کی روح ہے؟ جواب آئے گا کہ یہ فلاں اور فلاں کی روح ہے، اور یہ بتاتے ہوئے فرشتے اس کو اس کے بہترین ناموں سے پکاریں گے۔ پھر وہ سب سے نچلے آسمان کے دروازے پر اجازت طلب کریں گے وہ دروازے کھول دیئے جائیں گے پھر وہ جس بھی آسمان سے گزرتے جائیں گے اس آسمان کے فرشتے بھی اس کا استقبال کرتے ہوئے ساتھ چلیں گے یہاں تک کہ اللہ رب العزت کے عرش تک پہنچ جائیں گے۔ اور پھر اللہ سبحان تعالی جنت کا جو وعدہ اس روح سے کیا گیا تھا، پورا کرے گا۔ پھر حکم دے گا کہ اس کو واپس زمین کی

طرف لے جاؤ کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے میں نے اسے پیدا کیا یہیں پر وہ لوٹ کے جائے گا اور یہیں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ پھر وہ روح اللہ کے حکم سے زمین کی طرف اتار دی جائے گی۔

اس کے بعد رسول اللہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ایک اللہ کو نہ ماننے والے یا ایک بدکار کی روح کے ساتھ کیا واقعات پیش آئیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کے فرشتے اس کی طرف اس حالت میں اترتے ہیں کہ ان کے پاس جہنم کی آگ میں سے لایا ہوں ایک کفن موجود ہوتا ہے۔ پھر ملک الموت اسے پکارتا ہے، اے بری روح اللہ کے غضب اور عذاب کی طرف نکل آؤ، تو یہ روح تمام جسم میں پھیل جاتی ہے اور تمام پٹھوں اور رگوں سے چمٹ جاتی ہے یہ جسم کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ چناچہ موت کے فرشتے کو اس روح کو باہر کھینچنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اس کھینچے جانے کی تکلیف روح کو ایسی محسوس ہوتی ہے جیسا کہ کسی کانٹوں سے بھری ہوئی شاخ کو گیلی اون میں سے باہر کھینچا جائے۔ اس شخص کے عضلات اور اعصاب تکلیف کی شدت سے پھٹ رہے ہونگے، اور جیسے ہی یہ روح باہر نکلتی ہے تو فرشتے اس کو جھپٹ لیتے ہیں اور اسے جہنم سے لائے ہوئے کفن میں لپیٹ دیتے ہیں۔ رسول اللہ نے مزید فرمایا کہ اس کفن کی ناقابل برداشت بدبو ہوگی، اور جس بھی فرشتوں کے کسی گروہ کے پاس سے یہ گزاری جائے گی وہ اس پر لعنت بھیجیں گے اور پوچھیں گے کہ یہ کس بدبخت کی روح ہے؟ تو جواب میں اس کے بدترین ناموں سے اس کا تعارف کروایا جائے گا۔ پھر فرشتے اس کو پہلے آسمان کے دروازے تک لے جائیں گے اور اجازت طلب کریں گے لیکن ان کو اجازت نہیں ملے گی اور آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ پھر اللہ تعالی حکم دے گا کہ اس کو سب سے نچلی زمین پر کھینچ مارو۔ تو وہ روح اللہ سبحان تعالیٰ کے غضب کے ساتھ زمین پر پٹخ دی جائے گی۔

قبر

جب کبھی بھی عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو رونے لگتے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ جنت اور جہنم کی یاد آپ پر اتنا اثر نہیں کرتی جتنا کے قبر کی یاد آپ پر اثر انداز ہوتی ہے؟ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قبر آخرت کی پہلی سیڑھی ہے اگر تم اس میں سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے تو جو کچھ بھی آگے مرحلے آئیں گے وہ آسان ہوں گے۔ اور اگر تم اسی قبر کے مرحلے ہی پر ناکام ہوگئے تو جو کچھ اس کے

آگے آئے گا وہ بہت ہی کٹھن اور خوفناک ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی میں قبر کو یاد کرتا ہوں تو مجھ پر رقت والی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں جو کچھ بھی میں نے اس دنیا میں خوفناک دیکھا ہے قبر کی ہولناکی ان سب سے زیادہ خوفناک ہے۔ بہت جلد ہم اس جگہ پر ہوں گے ہم میں سے ہر کوئی آخر میں اسی جگہ پر آجائے گا، ہم اس دنیا کی آسائش پیچھے چھوڑ دیں گے اور ہم میں سے ہر ایک کو زمین کے اس گڑھے میں ڈال دیا جائے گا۔

رسول اللہ کے زمانے میں ایک بوڑھی عورت تھی جو مسجد کی صفائی وغیرہ کرتی تھی۔ وہ بیمار تھی اور پھر رات دیر گئے اس کا انتقال ہو گیا، صحابہ نے اسے دفن کر دیا، انہوں نے رات کی وجہ سے رسول اللہ کو بیدار کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ وہ بوڑھی عورت کہاں ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ وہ بیمار ہو گئی تھی پھر فوت ہو گئی اور پھر ہم نے اسے دفن کر دیا۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ تم نے مجھے اس پر مطلع کیوں نہیں کیا؟ رسول اللہ اپنی امت کے لیے کتنے شفیق تھے وہ ان میں سے ہر ایک کا خیال کرتے پھر چاہے وہ بوڑھا ہو یا جوان چاہے کمزور ہو یا طاقتور۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی قبر پر لے چلو اور قبر پر پہنچ کر بولے یہ قبریں اندھیروں میں گھری ہوئی ہیں لیکن اللہ تعالی میری دعا کی وجہ سے ان کو روشن فرما دیتا ہے۔ اور جیسے ہی آپ قبر میں جاتے ہیں تو قبر آپ کو زور سے جکڑے گی کیونکہ آپ وہیں کے باشندے ہیں۔ بخاری

رسول اللہ ہمیں بتاتے ہیں کہ قبر سکوئز کرے گی، اور اگر کوئی قبر کے اس عمل سے بچا لیا جاتا تو یہ سعد بن معاذ ہوتے، یہاں تک کے سعد بن معاذ رضی اللہ جو اللہ کے ولی ہیں کو بھی قبر نے دبایا اور جکڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جن کی موت پر اللہ کا عرش بھی ہل گیا تھا، یہ وہ شخص ہیں جن کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیے گئے، ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی، لیکن قبر نے پھر بھی ان کا استقبال دبا کر کیا اور پھر چھوڑ دیا۔ سعد بن معاذ انصار کے سرداروں میں سے تھے، یہ وہ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال مدینہ میں کیا تھا اور وہ ان کے بہترین میزبان تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس وقت تک دفاع کرتے رہے جب تک ان کی موت نہیں واقع ہو گئی۔ ایک بار ایک بچے کی تدفین ہو رہی تھی اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی قبر کی تنگی سے بچتا تو یہ بچہ ہوتا، لیکن یہاں تک کہ اس کو بھی اس تنگی سے گزارنا ہو گا۔

فتنہ القبر قبر کا فتنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ قبر میں پڑے شخص پر دو فرشتے منکر اور نقیر اتریں گے، وہ اس پر سخت آواز میں چیخیں گے اور اس شخص کو حیران اور پریشان کر دیں گے۔ ان کی گفتگو کا انداز زیادہ شائستہ نہیں ہو گا، وہ بہت سخت اور طاقتور ہونگے، وہ آپ سے سیدھے اور فوری جواب کی توقع کریں گے۔ بے شک آپ اللہ پر ایمان لانے والے ہوں یا کافر وہ اسی انداز میں آئیں گے۔ یہ دو فرشتے جو نیچے اتریں گے تو تین سوالات کریں گے۔ من ربک، ما دینک، من نبیک۔ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟۔ صرف یہ تین سوالات، یہ وہ امتحان ہے جس کے لیے ہمیں تیاری کرنی چاہیے، ہم سالہا سال تک پڑھتے رہتے ہیں امتحانات کے لیے۔ لیکن ہم اس سب سے ضروری ٹیسٹ کے لیے کتنا ٹائم دے رہے ہیں؟ ہمیں سوالات کا بھی پتا ہے اور جوابات بھی ہم جانتے ہیں۔

ایک مومن اس طرح جواب دے گا۔ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے، اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر وہ آواز سنیں گے جو اوپر سے آئے گی قاد صدا قاعبدی میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے، اس کا مطلب کہ اللہ تعالی ان جوابات کی تصدیق کر رہا ہے۔ اسی لئے اللہ قرآن میں خطاب کرتا ہے کہ وہ اس دنیا میں مومنوں کو صریح اور مضبوط بیان پر قائم رکھتا ہے۔ اور یہ مضبوط بیان کیا ہے؟ لا الہ الا اللہ۔ اللہ ایک مومن کو اس بیان پر قائم رکھتا ہے۔

جب فرشتے اللہ کے منکر سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تمہارے نبی کون ہیں؟ تو وہ جواب دے گا کیا؟، میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو کہتے سنا اور میں نے بھی وہی کہہ دیا۔ فرشتے اس کو ہتھوڑے سے ضرب لگائیں گے اور وہ چوٹ اس کو مٹی بنا دے گی۔ وہ شخص کہہ رہا ہے کہ جو میں نے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہتے سنا، یعنی جو ابو جہل کہہ دے یا اخبار کہہ یا لکھ دے یا پھر کوئی بھی اور شخص کہہ دے، یہ وہ جواب نہیں ہے جو فرشتوں کو مطلوب ہے۔ آپ کو یہ بات بالکل واضح ہونی چاہیے کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے بارے میں آپ سے قبر میں سوال ہو گا، اور فرشتے آپ سے یہ سننا پسند کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نبی ہیں، خالی یہ کہہ دینا کافی نہیں ہو گا کہ صرف ایک خدا ہے آپ کو اللہ کے تمام نمائندوں، اس کے نبیوں محمد عیسی موسی ابراہیم علیہ سلام پر ایمان لانا ہو گا۔ یہ سب وہ ہیں جو اللہ کا پیغام اس کی زمینی مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ آج کل کچھ سٹیریوٹائپ یہ

کہتے سنے جاسکتے ہیں کے خدا کو مان لو انبیاء کی اتنی اہمیت نہیں۔ جبکہ یہ بالکل گمراہ لوگ ہیں۔ رسول اللہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں کہ قبر کے یہ سوالات ایک انسان کا آخری امتحان ہو گا اس کے بعد اس کا کوئی بھی اور امتحان نہیں ہو گا۔

البخاری بیان فرماتے ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر نے بیان کیا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں کھڑے ہوئے اور ایک خطبہ دیا، انہوں نے قبر کے فتنے پر بات شروع کی یہاں تک کہ مسجد میں سے اونچا شور سنائی دینے لگا۔ یہ کیسا شور تھا؟ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہ رو رہے تھے، اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ میں خطبہ سن نہیں سکی اور میں نے انتظار کیا جب تک کہ شور تھوڑا کم نہیں ہو گیا پھر میں نے ایک شخص سے پوچھا کے رسول اللہ نے آخر میں کیا بات کی، اس نے کہا رسول اللہ نے فرمایا کہ تم لوگ قبر میں ایسے فتنے سے گزرو گے جس طرح کا فتنہ المسیح الدجال کا ہو گا۔ صحابہ یہ خطبہ سن کر رو رہے تھے کیونکہ ان کے دل نرم تھے۔ ہمارے لئے؟ ہمیں کچھ فرق نہیں پڑتا اور اگر کچھ فرق پڑے تو وہ بہت معمولی اور عارضی فرق ہوتا ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی کسی بھی جنازے کا حال دیکھ لے ہم اپنی آنکھوں سے قبروں کو دیکھتے ہیں ایک انسان کا انجام دیکھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان کس طرح زمین کے گڑھے میں دفن کر دیا جاتا ہے پھر بھی ہم جنازہ گاہ میں مذاق کرتے ہیں اور قہقہے لگاتے ہیں۔ یہ دلوں کی سختی قسوۃ القلب ہے۔ ہمارے دل اتنے سخت ہو چکے ہیں جس طرح چٹان ہو۔ صحابہ نے صرف رسول اللہ کو قبر کے بارے میں بات کرتے سنا تو اسماء رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں کہ میں خطبہ نہیں سن پائی۔ ہم دلوں کی ایسی بیماری میں مبتلا ہیں جس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے یہ بیماری طبعی طور پر دل کے مسئلے سے بھی بدتر ہے۔ اگر ہمیں طبعی طور پر کوئی دل کا مسئلہ ہو جائے تو ہم اپنی پوری قوت و توانائی دولت اور وقت اس کے علاج میں صرف کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوں تو ہم انہیں جانے دیتے ہیں اور پرواہ ہی نہیں کرتے۔ رسول اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جائے گی، اور اگر یہ خطرہ نہ ہو تا کہ تم اپنے مردے دفنانا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تم کو زمین کے نیچے کیا ہو رہا ہے، اور وہاں کیسے حالات پیش آرہے ہیں اس سے آگاہ کر دیا جائے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ زمین کے نیچے کے حالات نہیں سنے، بلکہ ہم کچھ عام لوگوں کے بارے میں بھی جانتے ہیں جنہوں نے قبروں کی سزاؤں کو سنا مردوں کو چیختے، سزا کے ساتھ قبروں سے نکلتے دیکھا اور ان کے جسم پر زخموں کے نشانات بھی۔

ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آپ سوتے ہیں تو آپ کی روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے، لیکن پھر بھی بعض اوقات بہت سے خوابوں کی کیفیت اتنی شدید اور زوردار ہوتی ہے کہ آپ کا جسم اس خواب کی کیفیت کے مطابق حرکت اور عمل شروع کر دیتا ہے جبکہ آپ کی آنکھیں بند ہیں اور روح جسم سے لاتعلق۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ بالکل اسی طرح سزا اتنی سخت ہو سکتی ہے کہ جسم اس عذاب پر حرکت کرنا شروع کر دے اور آپ مردہ جسموں کو دیکھیں کہ وہ اپنی قبروں سے باہر آرہے ہیں اور فرشتے ان کو عذاب دے رہے ہیں۔

مومن سے پوچھ گچھ کے بعد جب مومن صحیح جواب دے دیتا ہے تو ایک آواز آسمان سے پکارتی ہے۔ میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے لہذا اس کی قبر کو جنت سے آراستہ کرو اسے جنت سے کپڑے مہیا کرو اور اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو۔ یہ قبر ہوتی تو دنیا میں ہے لیکن اس کا رابطہ سیدھا جنت کے ساتھ استوار کر دیا جاتا ہے۔ اس قبر کا مکین جنت میں اپنے مقام کو دیکھ سکتا ہے، وہاں پر جا نہیں سکتا لیکن اس کو دیکھ ضرور سکتا ہے۔ اس کے بعد ایک بہت ہی خوبصورت اور نفیس انسان قبر میں وارد ہوتا ہے، قبر کا مکین اس سے سوال کرتا ہے کہ تم کون؟ جواب ملتا ہے کہ میں تمہارے نیک اور اچھے اعمال ہوں، اور تمہارے ساتھ وقت گزارنے آیا ہوں جب تک قیامت قائم نہ ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والا تنہا نہیں رہے گا۔ اور نہ ہی کسی برے ساتھی کا شکار ہو گا۔

ایک تابعی اپنے طالب علم سے سوال کرتے ہیں، تم نے تیس سال میرے زیر نگرانی تعلیم حاصل کی، مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اس عرصے میں کیا سیکھا؟ طالب علم نے جواب دیا کہ میں نے یہاں آٹھ چیزیں سیکھیں، ان تمام کے مابین ایک بات یہ تھی کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اس دنیا میں کچھ اشیاء کو اور کچھ اشخاص کو محبوب رکھتا ہے۔ ان میں سے کچھ اشیاء ہم اس دنیا میں اور پھر کچھ اپنے گھر میں ہی چھوڑ جاتے ہیں، اور کچھ محبوب قبر تک ہمارے ساتھ آتے ہیں۔ لیکن جب ہم قبر کے اندر اتر جاتے ہیں تو ان تمام محبوب اشیاء میں سے صرف اور صرف ہمارے نیک اعمال ہی ہمارے ساتھ اندر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے اچھے اور نیک اعمال کو ہی اس دنیا میں اپنا سب سے بڑا محبوب بنالیا ہے۔ جب موت کا وقت آئے گا تو مجھے اپنے خاندان کو چھوڑنا ہو گا، اپنی دولت کو چھوڑنا ہو گا، اپنی گاڑی کو چھوڑنا ہو گا، اپنے گھر کو پیچھے چھوڑنا ہو گا، مجھے دنیا کا سب کچھ یہی چھوڑنا پڑے گا، صرف اور صرف ایک چیز میرے ساتھ میری قبر میں جائے گی اور وہ ہونگے نیک اعمال، اسی لئے ہمیں وہ زیادہ جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قبر میں تمہارے سامنے ایک کھڑکی ہوگی جو جنت کا منظر پیش کرے گی، اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارا جنت میں مقام ہے کیونکہ تم ایمان والے ہو ایک کھڑکی اور دکھای جائے گی جو کہ جہنم کا منظر پیش کرے گی اور کہا جائے گا کہ اگر تم مومن نہ ہوتے تو یہ تمہارا مقام تھا۔ اس موقع پر مومن جب جنت کو دیکھے گا تو بے اختیار پکار اٹھے گا کہ یا اللہ جلد از جلد قیامت قائم کردے، تاکہ کہ میں اپنی اس دولت اور خاندان کے پاس چلا جاؤں۔ وہ جو دنیا چھوڑ آیا اس کے بارے میں بالکل بھی فکر مند نہیں ہو گا نہ ہی واپس وہاں جانا چاھے گا۔ کیونکہ وہ نیمعتیں دیکھ لے گا جو اللہ تعالی نے اس کے لیے بنائی ہوگیں تو اس پرانی دنیا کی وقعت اس کے سامنے بالکل اہمیت کھو دے گی۔

اس کے برعکس جب ایک کافر کے سوالات پورے ہو جائیں گے۔ تو آسمان سے ندا آئے گی، وہ جھوٹا ہے، لہذا اس کی قبر کو جہنم کی آگ سے مزین کردو اسے جہنم کی آگ سے کپڑے دو اور اس کے لئے جہنم کی آگ کا دروازہ کھول دو۔ ہم یہاں قبروں کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بس اس دنیا کا ہی حصہ ہے جبکہ ہم یہ نہیں جانتے کہ جنتی لوگ اپنی قبروں سے جنت کا نظارہ اور جہنمی لوگ اپنی قبروں سے جہنم کا نظارہ کریں گے۔ پھر ایک بھیانک اور بدصورت شخص قبر میں اس کے پاس آئے گا قبر کا مکین اس سے سوال کرے گا تم کون ہو؟ بولے گا میں تمہارے وہ خبیث اعمال جو کہ تو کیا کرتا تھا اور اب تمہارے ساتھ ہی وقت گزاروں گا یہاں تک کہ قیامت آجاے۔ اور اس کی بہت غلیظ بدبو ہوگی۔ یہاں بھی دو کھڑکیاں کھول دی جائیگی اس کو جنت والا منظر دکھا کر کہا جائے گا کہ تم ادھر جاسکتے تھے اگر مومن ہوتے، یعنی صرف وہ جسمانی ہی نہیں بلکہ اعصابی طور پر بھی عذاب کا شکار ہو گا، پچھتاوے اور پشیمانی کی وجہ سے۔ پھر جب دوسری طرف اسے اس کا مقام جہنم میں دکھا دیا جائے گا تو وہ بے اختیار پکار اٹھے گا یا اللہ قیامت کبھی بھی قائم نہ ہو۔

یہاں ایک سوال معاشرے میں پوچھا جاتا ہے کیا مسلمان کو قبر میں سزا دی جاسکتی ہے؟ جی ہاں القرطبی کا کہنا ہے کہ تم یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ قبر کی سزا صرف اور صرف کافروں کے لیے نہیں ہے حتی کہ یہ صرف منافقین کو بھی نہیں ہے بلکہ اللہ پر ایمان رکھنے والے کے اعمال میں کوتاہی کے سبب بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ ایسی کون سی وجوہات ہیں جو قبر کی سزا کا سبب بن سکتی ہیں؟ ان کی عمومی وجہ تو نیک اعمال کی کمی ہے لیکن کچھ خاص وجوہات بھی ہیں۔

قبر کی سزا کی کچھ مخصوص وجوہات

چوری اور لوٹ مار

ایسی چیز کو غصب کرنا یا قابض ہو جانا جو کہ آپ کی ملکیت نہ ہو اور دھوکا دینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خدمت گار تھے۔ وہ ایک جنگ میں شریک ہونے کے لیے باہر نکلے اور رسول اللہ کی سواری تیار کر رہے تھے کہ اچانک ان کو ایک بے نشانہ تیر آ لگا۔ صحابہ نے کہنا شروع کر دیا مبارک ہو اسے جنت مل گئی، کیونکہ اس کی موت جنگی میدان میں ہوئی۔ رسول اللہ نے فرمایا نہیں اللہ کے نام کے ساتھ، اس نے خیبر میں ایک کپڑے کی چوری کی تھی، وہی کپڑا اس کو لپیٹ دیا گیا ہے اور اسے قبر میں جلا رہا ہے۔ یہ صرف ایک کپڑا تھا جو اس نے بغیر کسی اجازت کے مال غنیمت میں سے اٹھا لیا تھا۔ سبحان اللہ صرف ایک چادر، ان لوگوں کا کیا انجام ہو گا جو لاکھوں ڈالر چوری کر لیتے ہیں، کروڑوں کے غبن کرتے ہیں؟ ان لوگوں کا کیا ہو گا جو دھوکا دیتے ہیں اور دھوکا دے کر مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرتے ھیں۔ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا؟ یہ بخوبی سوچا جا سکتا ہے اور یہ سب کچھ کس لیے، اس زندگی کی کچھ عارضی مستی اور لطف اندوزی کے لئے۔ اللہ سبحان تعالی آپ کو اس دنیا میں بھی ایسی بیماریوں اور آفات سے دوچار کر دے گا جس پر آپ کو اپنا سارا پیسہ خرچ کرنا پڑ جائے گا۔ کیونکہ یہ حرام کا پیسہ برکت سے خالی ہے۔ مالیاتی لین دین ایک ایسی چیز ہے جو آپ کے لیے بہت بڑا اجر یا پھر آپ کی بہت بڑی سزا کا سبب بن سکتی ہے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک آزمائش ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا آپ شکر گزار بندے کی روش اختیار کرتے ہیں یا ناشکرے پن کی۔

تہمت اور طہارت میں غفلت برتنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ان قبروں میں موجود دو اشخاص کو سزا دی جا رہی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ وہ کسی بڑی معاصیت کی وجہ سے تکلیف نہیں دیے جا رہے ہیں ان میں سے ایک غیبت کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں یعنی طہارت سے غفلت برتتا تھا، انہی دونوں وجوہات کی وجہ سے ان کو قبر میں سزا دی جا رہی تھی۔

قرآن کی نظر اندازی، زنا، ربا اور جھوٹ۔۔۔۔۔

سمورہ بن جندب فرماتے ہیں۔ اللہ کے نبی اکثر اپنے صحابہ سے یہ پوچھا کرتے تھے، کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ تو اللہ ان میں سے جن کو توفیق دیتا تھا وہ اپنے خواب سناتے تھے۔ ایک صبح رسول اللہ نے فرمایا کل رات خواب میں دو آدمی میرے پاس

آئے، اور ہم یہ جانتے ہیں کہ انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں، اور مجھے جگایا اور مجھ سے کہا چلو۔۔۔ آگے بڑھو۔ میں ان کے ساتھ چل دیا پھر ہم ایک شخص کے پاس پہنچے جو لیٹا ہوا تھا اور ایک دوسرا شخص اس کے سر کی جانب ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لیے کھڑا تھا، پھر اس شخص نے لیٹے ہوئے شخص کے سر پر وہ پتھر دے مارا جس نے اس کا سر کچل دیا۔ وہ پتھر لڑھکتے ہوئے دور چلا گیا وہ شخص اس کے پیچھے گیا اور اسے پھر اٹھالیا۔ جب تک کہ وہ دوبارہ پہلے شخص کے پاس پہنچا تو اس کا سر ٹھیک ہو چکا تھا۔ اور مارنے والے نے پھر وہی عمل دہرانا شروع کیا جو اس نے پہلے کیا تھا۔ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا سبحان اللہ، یہ دونوں کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا آگے بڑھو،

چناچہ ہم آگے بڑھ کر ایک اور شخص کے پاس پہنچے جو اپنی پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا یہاں بھی اس کے سر کی جانب ایک شخص کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا ہک تھا۔ وہ یہ لوہے کا ہک لیٹے ہوئے شخص کے منہ کی ایک جانب ڈالتا اور گردن کی طرف اسے پھاڑ ڈالتا اور اسی طرح اس کا ناک اور آنکھ بھی آگے سے پیچھے کی طرف۔ اس کے بعد وہ چہرے کے دوسری طرف آتا اور اپنے اس عمل کو شروع کرتا، اور ابھی یہ اختتام پذیر نہیں ہوتا تھا کہ پہلی جانب والا چہرہ ٹھیک ہو جاتا۔ اور پھر وہ بار بار اپنے اس عمل کو دہرانے لگتا۔ میں نے اپنے دو ساتھیوں سے پوچھا، سبحان اللہ یہ دو اشخاص کون ہیں؟ جواب ملا آگے بڑھو۔۔۔

چناچہ ہم آگے بڑھے اور پھر ایک ایسی چیز کے پاس پہنچے جو تندور جیسی تھی، ایک گڑھا جس میں عام طور پر روٹی پکانے کے لئے مٹی کا لیپ ہوتا ہے،،،، رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس تندور سے بہت سی آوازیں اور شور آرہا تھا۔ مزید یہ کہ جب ہم نے اس میں جھانکا تو بہت سے مرد اور عورتیں برہنہ حالت میں وہاں پائے، ان کے نیچے کی طرف سے ایک آگ کا شعلہ بھڑکتا تھا اور جب وہ ان تک پہنچتا تو وہ چیختے تھے۔ وہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن دیواروں کی ساخت کی وجہ سے نیچے پھسل جاتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ میرے ساتھیوں نے مجھے کہا آگے چلو۔۔۔۔۔۔

اور پھر اسی طرح ہم آگے بڑھے اور ایک ندی کے کنارے پہنچے، اس کا رنگ لال تھا جس طرح خون ہو، پھر رسول اللہ نے مزید فرمایا کہ اس دریا میں ایک شخص تیر رہا تھا، اور ایک شخص کنارے پر بیٹھا تھا جس نے بہت سے پتھر جمع کر رکھے تھے۔ جب وہ تیرنے والا شخص تیرتا ہوا باہر والے شخص کے پاس آتا تو اپنا منہ کھول دیتا اور باہر والا شخص اس کے منہ میں پتھر پھینکتا اور پھر تیرنے والا اس

سے دور چلا جاتا۔ یہ عمل بار بار دہرایا جاتا۔ میں نے اپنے دو ساتھیوں سے پوچھا اچھا تو یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا گیا آگے بڑھو آگے بڑھو۔۔۔۔۔

اور ہم آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس پہنچے جس کی صورت انتہائی ناگوار اور گھناؤنی تھی، اتنی گھناؤنی جتنا کوئی انسان سوچ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک آگ تھی اور وہ اس سے جل رہا تھا اور بھاگ رہا تھا میں نے پھر پوچھا اچھا یہ شخص کون ہے؟ تو انہوں نے مجھے کہا آگے بڑھو آگے بڑھو۔۔۔۔۔۔

لہذا ہم اس وقت تک آگے بڑھے یہاں تک کہ ہم گہرے سبز رنگ کے حامل گھنے پودوں کے باغ، جس میں بہار کے تمام رنگ موجود تھے تک پہنچے۔ اس باغ کے بیچوں بیچ ایک بہت لمبا شخص کھڑا تھا وہ اتنا لمبا تھا کہ میں اس کی اونچائی کی وجہ سے اس کا سر نہیں دیکھ پا رہا تھا، اس کے آس پاس کچھ بچے تھے، جو کہ اتنی تعداد میں تھے کہ میں نے اتنی تعداد پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ میں نے پھر اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا آگے بڑھو آگے بڑھو۔۔۔۔۔

چناچہ ہم آگے بڑھے یہاں تک کہ ہم ایک بہت بڑے زبردست باغ تک جا پہنچے، میں نے اس سے پہلے اتنا بڑا اور بہتر باغ نہیں دیکھا تھا، میرے دو ساتھیوں نے مجھے کہا کہ اوپر چلو اور میں اوپر چلا گیا۔ رسول اللہ نے مزید فرمایا پھر ہم چلتے ہوئے ایک شہر تک پہنچے جو کہ سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا، ہم اس کے گیٹ کے پاس گئے اور دربان سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا دروازہ کھل گیا اور ہم اس میں داخل ہو گئے وہاں جا کر ہم نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے جسم کا ایک رخ اتنا خوبصورت تھا جتنا خوبصورت آپ نے شاید ہی کبھی کوئی انسان دیکھا ہو، اور ان کا دوسرا رخ اتنا بدصورت اور بھیانک تھا کہ شاید ہی آپ نے زندگی میں اتنا بھیانک کوہی انسان دیکھا ہو۔ میرے ساتھ والے دو ساتھیوں نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو دریا میں پھینک دو۔ اس شہر میں ایک دریا بہہ رہا تھا جس کا پانی دودھ کی سفیدی کے جیسا تھا، وہ لوگ گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو اس دریا میں ڈال دیا، پھر جب وہ واپس ہمارے پاس آئے تو ان کی ساری بدصورتی غائب ہو چکی تھی اور وہ اپنی بہترین شکل میں آ چکے تھے۔۔۔۔

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میرے دو ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ یہ جنت الفردوس ہے اور یہ آپ کے رہنے کی جگہ ہے۔ میں نے اپنی نگاہ اوپر کی طرف دوڑائی تو وہاں میں نے سفید بادل کی طرح ایک محل دیکھا میرے دو ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ یہ آپ کی ملکیت ہے۔

میں نے ان سے کہا اللہ آپ دونوں کو سلامت رکھے مجھے اس میں داخل ہونے دو۔ انہوں نے جواب دیا ابھی تو آپ اس میں داخل نہیں ہوں گے لیکن ایک دن آپ کو ضرور اس میں داخل کیا جائے گا۔۔۔۔۔۔

پھر میں نے ان سے کہا کہ میں نے آج رات بہت سے حیران کن مشاہدات کئے، ان سب چیزوں کا مطلب کیا ہے جو میں نے دیکھیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کو بتاتے ہیں۔۔۔۔

وہ جو مشاہدہ آپ نے کیا جس یں ایک شخص کا سر پتھر سے کچلا جارہا تھا وہ اس شخص کی علامت ہے جو قرآن کا حافظ ہے لیکن اس کے بعد نہ تو اس کی تلاوت کرتا ہے اور نہ ہی اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اور نماز سے غفلت برتتے ہوئے سو جاتا ہے۔

جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس کے منہ نتھنے اور آنکھیں آگے سے پیچھے کی طرف پھاڑی جارہی تھیں، تو وہ ایسے شخص کی مثال تھا جو صبح کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے اور بہت سارے جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ سب جھوٹ پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں۔

اور وہ برہنہ مرد اور عورت جن کو آپ نے تندور میں دیکھا وہ سب زانی مرد و زن تھے۔ اور جو شخص خون جیسے دریا میں تیرتا ہوا پتھر نگل رہا تھا وہ سود کھانے والا ہے۔ اور جو خوفناک صورت والا شخص آپ نے آگ کے ساتھ دیکھا وہ جہنم کے دروازے کا دربان ہے۔ اس کے آگے جو لمبا شخص آپ نے دیکھا وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ فطرت اسلام پر فوت ہونے والے بچے تھے۔ یہ وہ بچے ہیں جو چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔ یہاں پر بیان کرنے والے لکھتے ہیں، کچھ صحابہ نے رسول اللہ سے پوچھا اے اللہ کے رسول تو کافروں کو بچوں کا کیا ہو گا؟ رسول اللہ نے جواب دیا کہ ہاں کافروں کے بچے بھی۔۔۔۔۔۔

نبی نے مزید فرمایا کہ اس کے بعد میرے دو ساتھیوں نے کہا کہ آپ نے جو آدھے بدصورت اور آدھے خوبصورت انسان دیکھے تھے، وہ ان لوگوں کی مثال ہیں جو نیک اعمال بھی کرتے ہیں اور برے اعمال بھی وہ ان دونوں کو غلط ملط کر دیتے ہیں لیکن اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔ بخاری 171

اس لمبی حدیث میں بہت سارے تبصرے بھی موجود تھے، جو کہ اس کو ای میل کرنے والے ایک دوست نے شامل کئے تھے۔ لیکن میں نے آپ سب کے سامنے وہ تبصرے بیان نہیں کیے تا کہ مضمون مبہم نہ ہو جائے۔ اس میں راوی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ دو ساتھی جبرائیل اور میکائیل تھے۔

قرض

یہاں پر کچھ اور بھی چیزیں ہیں جو قبر کی سزا کا موجب بن سکتی ہیں، ان میں سے ایک ہے قرض۔

اس کے بارے میں ہمیں ایک حدیث ملتی ہے جس میں ایک صحابی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابی کے بھائی سے کہتے ہیں جاؤ اور جا کر اپنے بھائی کا قرض ادا کرو کیونکہ اس قرض کی وجہ سے ان سے جنت روک لی گئی ہے۔ یعنی وہ صحابی فورا جنت میں نہیں جا سکے اپنے قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے۔۔۔

حد سے زیادہ غم اور رونا

اگر آپ کا انتقال ہو جاتا ہے اور آپ کا کنبا آپ پر بہت زیادہ روتا ہے تو آپ کو کچھ تکلیف قبر میں پہنچ سکتی ہے۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ زخمی ہو گئے اور انتقال کے قریب تھے تو صہیب رضی اللہ تعالی عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور رونے لگے۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ بولے کہ مرنے والے شخص کو قبر میں بھگتنا پڑے گا اگر اس کے خاندان والے اس کے بعد بہت زیادہ شور مچاتے اور روتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے ان کے لیے کوئی اس طرح روئے، آنسوؤں کے ساتھ بغیر آواز رونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس سے زیادہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ سبحان و تعالی یہ چاہتا ہے کہ ہم صبر کریں۔ آنسو تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ سے بھی نکلے جب ان کے چاہنے والے ان کا ساتھ چھوڑ جاتے تھے، لیکن انہوں نے کبھی بھی بہت زیادہ رونے کی اجازت نہیں دی۔

قبر کی سزا اور عذاب قبر سے کون سی چیز بچا سکتی ہے؟

نیک اعمال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب ایک مردے کو دفن کیا جاتا ہے، تو وہ لوگوں کے واپس جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سن سکتا ہے، پھر اس کے نیک اور اچھے اعمال اس کو گھیر لیتے ہیں۔۔ نماز اس کے سر کی طرف سے آتی ہے روزہ اس کی دائیں جانب سے آتا ہے اور زکوۃ اس کی بائیں جانب سے۔ کچھ اور اچھے اعمال اس کے پاؤں کی جانب ہوتے ہیں۔ تو جب کبھی بھی اس کے

سر کی طرف سے حملا ہوتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ نہیں تم یہاں سے نہیں آسکتے، اسی طرح جب دائیں جانب سے حملا ہو تو روزہ کہتا ہے کہ نہیں تم یہاں سے نہیں آسکتے۔ زکوۃ بھی اسی طرح کہے گی کہ تم یہاں سے نہیں آسکتے، اور باقی اچھے اعمال بھی کہیں گے کہ تم پاؤں کی طرف سے بھی نہیں آسکتے۔ اور یہ سب نیکیاں اس شخص کو گھیرے میں لے کر ایک ڈھال بنالیں گی اور اس کی حفاظت کریں گی۔

قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگنا:

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم نماز میں تشہد پورا کرلو تو اللہ سے چار چیزوں کی پناہ مانگو۔

1۔ جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو

2۔ اور قبر کے عذاب سے

3۔ مرنے اور جینے کے فتنے سے

4۔ اور المسیح الدجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو

چنانچہ یہ ایک سنت ہے کہ نماز میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ان چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

وہ کون ہے جو قبر کے عذاب سے بچ جائیں گے؟

شہداء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے کے لیے خاص بشارات ہیں۔ اسے معاف کر دیا جائے گا، جو نہی اس کے جسم سے خون کا پہلا قطرہ باہر نکلے گا۔ وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا۔ وہ عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جائے گا۔ وہ انتہائی خوفناک دن کی خوف سے بچالیا جائے گا۔ سکون اور عافیت کا تاج اس کے سر پر رکھا جائے گا جس میں جڑا ایک زمرد اس دنیا اور اس میں پائی جانے والی ہر چیز سے بہتر ہو گا۔ اس کا نکاح 72 حوروں کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اور اسے اپنے ستر رشتہ داروں کی شفاعت کرنے کا موقع نصیب کیا جائے گا۔ ایک صحابی نے سوال کیا یا رسول اللہ یہ کیسے ہو گا کہ مومن کو تو قبر میں آزمائش سے گزرنا پڑے گا اور شہید کو نہیں؟ نبی نے فرمایا کہ اس کے سر پر تلواروں کا چمکنا اس کے لیے فتنہ کافی تھا، جب آپ جنگ کے دوران

لمحہ بالمحہ موت کو سامنے دیکھ رہے ہوتے ہیں تو یہ فتنہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ تو اللہ اس کو خوشی دے گا، اور اس کو سکون و عافیت عنایت فرمائے گا۔

المورابیت

یہ وہ سپاہی ہیں جو ایک اسٹیشن پر اپنے گھر سے دور مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جنگ کے لیے ہدایات کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ رباط کا مطلب ہے جب آپ کسی چیز کو باندھ دیں۔ المرابیت ایسے لوگ ہیں جو کسی چوکی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں وہاں سے ہل نہیں سکتے اور اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ یہ ایک بہت مشکل کام ہے اور اسی لئے اللہ ان کو ایک خاص انعام بخشے گا۔ رسول اللہ نے فرمایا ہر کسی کا عمل روک لیا جاتا ہے جب کہ وہ فوت ہو جائے ماسوائے المرابیت کا ان کا عمل بڑھتا ہی رہے گا جب تک کے قیامت قائم نہ ہو جائے، اور ان کو قبر کے عذاب سے بچا لیا جائے گا۔

وہ جن کی وفات جمعہ کے دن ہو جاتی ہے،

ایک حسن حدیث کے مطابق ہر وہ مسلمان جو جمعہ کے دن فوت ہو جائے اللہ اس کو قبر کے عذاب سے بچا لیتا ہے۔ اللہ سبحان اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری حفاظت فرمائے ہماری فیملیز کی حفاظت فرمائے اور تمام مسلمانوں کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے آمین۔



الآخرہ
دی آفٹر لائف
امام انور العولکی
HEAVEN
GRAND CENTRAL
HELL
Chapter 4
مترجم: وقاص بن اکرم
معاون: فیصل بن نذیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الآخرہ دی آفٹر لائف cd4 امام انور الولکی

یوم القیامہ کی نشانیاں اور علامات:

یوم قیامت کی علامات، یہ کچھ ایسے اشارے اور سنگ میل ہیں جو انسانیت کے قیامت کے دن تک کے سفر میں، ہمارے راستے پر دکھائی دے چکے، دیتے ہیں یا آیندہ دیں گے۔ اساع کا مطلب ہے آخری وقت یا گھنٹہ، اور قیامت کے دن کا آغاز۔ اللہ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ یہ علم غیب ہے، اسی وجہ سے جب ایک حدیث میں جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اساع آخری وقت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا "کہ وہ جس سے سوال پوچھا گیا اس سے بہتر یا زیادہ نہیں جانتا جو سوال پوچھ رہا ہے"۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا قیامت کے دن کے بارے میں کہ وہ کب آئے گا، ہاں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس کی کچھ نشانیوں اور علامات سے آگاہ کیا ہے۔ قیامت کے دن کے بارے میں جو احادیث ملتی ہیں ان میں سے بہت سی ضعیف اور بہت سی مضبوط اور حسن احادیث ہیں۔

یہ ایک ایسا موضوع ہے جس میں آپ کو مستند تک پہنچنے کے لئے کافی ریسرچ اور تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ ایک اچھا خاصا مشکل کام ہے۔ الحمد اللہ اس بارے میں ایک کتاب جو لکھی گئی ہے، ویسے تو کافی کتابیں ہیں جو ابن کثیر رح اور دوسرے علماء کی ہیں، لیکن قیامت کے دن کی مستند نشانیاں اور احادیث پر ماسٹر اور پی ایچ ڈی ڈگری کا مقالہ ایک سکالر جس کا نام یوسف الوابیل ہے نے مکمل کیا ہے۔ اللہ تعالی اس کو جزاء خیر سے نوازے۔

یہ وہ بنیادی ماخذ ہے جو یہاں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سکالر نے قیامت کے پچاس سے زیادہ مستند نشانات جمع کیے ہیں۔

علامات کی قسمیں:

قیامت کے دن کے کچھ نشانات ایسے ہیں جو کہ تاریخ ماضی یا حال کے کچھ واقعات ہیں جو کہ ایک بار ہی ہو سکتے تھے۔ یعنی آپ کے پاس یقینی علم ہے کہ یہ ہو چکا ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کے ایک آگ ایسی ہو گی جو حجاز سے نکلے گی

اور جس کی روشنی شام تک پہنچے گی، اور تم لوگ رات کے وقت اونٹوں کی گردنیں دیکھ پاؤ گے۔ یہ ایک ایسی نشانی ہے جس کے بارے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب بھی یہ ہو گا تو آپ کو پتہ چل جائے گا۔ اور یہ واقعہ دراصل وقوع پذیر ہو بھی چکا ہے۔

کچھ دوسری قسم کی علامات اور نشانیاں ہیں جو کہ ایک سے زیادہ بار وقوع پذیر ہو سکتی ہیں۔ یا آپ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ یہ تو پہلے ہی پوری ہو چکی ہیں، جب کہ واقعتاً ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ مثلاً ایک علامت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قتل و غارت گری بہت عروج پر ہو گی۔ اور آپ آج کل کے حالات کے پیش نظر یہ سوچ سکتے ہیں کہ یہ تو وقوع پذیر ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ہو سکتا ہے کہ آنے والے وقت میں یہ اور بھی بھیانک اور بدتر شکل اختیار کر کے سامنے آئے۔ کچھ نشانیاں ایسی ہو سکتی ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ کچھ حد تک تو پوری ہو چکی ہوں، لیکن ابھی ان کی پوری حد اور چوٹی آنا باقی ہو, اور وہ آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی ہوں۔ پھر کچھ ایسی نشانیاں اور علامات بھی ہیں جو ہو سکتا ہے ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہوں۔ مثال کے طور پر ایک نشانی ہے کہ قیامت کے قریب امن و امان کا دور دورہ ہو گا، وہیں پر ایک دوسری نشانی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عدم تحفظ اور تنازعات پھیل جائیں گے۔ یہ دونوں بظاہر ایک دوسرے سے بالکل متصادم ہیں اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ تاریخ کے اعتبار سے دو مختلف قریبی ادوار ہوں۔

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا اور ان کا پیغام یہ ایک پہلی نشانی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس وقت دنیا میں بھیجا گیا ہوں جبکہ یہ وقت اور قیامت کے دن کا وقت اس قدر قریب ہیں جتنی قریب ہاتھ کی یہ دو انگلیاں ہیں۔ رسول اللہ ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ دنیا میں انسانی زندگی کی تاریخ کے مقابل ان کا دنیا میں آنا قیامت کے دن کے اتنے قریب واقع ہے جتنی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ یہ اسی طرح ہے کہ اگر انسانیت کی زندگی کا دورانیا اس دنیا میں ایک دن ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقوع پذیر ہونا غالباً عصر کے بعد کا وقت ہو گا۔ واللہ اعلم

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات:

عوف ابن مالک رض بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے قیامت کے دن کی چھے نشانیاں بیان فرمایں۔ ان نشانیوں میں سب سے پہلی رسول اللہ کی وفات تھی۔ باقی پانچ کے بارے میں بھی ہم بعد میں بات کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قیامت کے دن کی ایک نشانی ہے، اور یہ وہ سب سے بڑا سانحہ ہے جو مسلم امت کی سب سے بڑی پریشانی کا باعث بنا۔ ایک اور حدیث ہے جس میں رسول اللہ اپنی امت سے فرماتے ہیں جب بھی تمہیں کسی بھی مسئلے کی پریشانی در پیش ہو، تو مجھے کھو دینے کی پریشانی کو یاد کر لینا، تمہیں اپنا وہ مسئلہ غیر اہم لگنے لگے گا۔ الترمزی بیان فرماتے ہیں کہ انس ابن مالک نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو مدینہ ایسا تھا جس طرح نور ہی نور ہو، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو ایسا لگا جیسے اندھیرا ہی اندھیرا۔۔۔۔۔ اور پھر جیسے ہی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا، اور ابھی ہمارے ہاتھوں پر گرد لگی ہی ہوئی تھی، تو ہمیں واضح طور پر محسوس ہوا کہ ہمارے دل بدل گئے ہیں۔ رسول اللہ کی صرف ان میں موجودگی ہی ان کے لیے بہت بڑا معنی رکھتی تھی، اور جیسے ہی آپ کا وصال ہوا تو ایک بہت بڑا خلا ان کو محسوس ہونے لگا۔ ایک اطمینان قلب اور سکون ان کو محسوس ہوتا تھا جب آپ ان کے آس پاس ہوتے تھے۔

3۔ یروشلم کا کھولا جانا:

یہ مستند نشانی عمر ابن خطاب کے زمانے میں پوری ھوئی۔ ابو عبیدہ ابن جراح رض اسلامی فوج کے لیڈر تھے، انہوں نے یروشلم کو گھیر رکھا تھا، مخالف فوج کو ہتھیار ڈالنا پڑے، ان کے پاس لڑنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ انہوں نے ابو عبیدہ کو ایک پیغام بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈالنے کے لیے راضی ہیں، لیکن وہ یہ چاہتے ہیں کہ یروشلم کی چابیاں وہ اسلام کے خلیفہ کے ہاتھ میں دیں۔ یہ بستی یروشلم اتنی اہمیت کی حامل تھی اس لیے عمر ابن خطاب نے شوریٰ بلالی اور صحابہ کو کہا کہ کیا کرنا چاہیے آیا جانا چاہیے یا پھر یہیں پر رہنا چاہیے۔ صحابہ میں کچھ کی رائے میں یہ خطرناک ہو سکتا تھا اور انہوں نے کہا کہ آپ مدینہ میں ہی رہیں۔ جبکہ دوسرے صاحبہ نے ان کو اللہ کے توکل پر جانے کا کہا۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ اپنے خادم کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ وہ باری باری اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ کچھ دیر تک عمر اس پر سوار ہوتے، پھر کچھ دیر تک وہ خادم اونٹ پر سوار ہوتا، اور کچھ وقت کے لئے اونٹ کو ایک وقفہ دیتے۔ جب عمر رضی اللہ تعالی عنہ یروشلم میں داخل ہو رہے تھے تو ان کی باری تھی اونٹ کو لے کر چلنے کی اور خادم اونٹ کے اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ اور

شہر میں داخل ہوتے ہوے ایک کیچڑ کا جوہڑ سامنے آیا۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اس جوہڑ میں سے گزرنا پڑا انہوں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور اس میں سے گزرے، ان کے کپڑوں اور پنڈلیوں پر کیچڑ لگ گیا اور یہ سب کچھ یوروشلم کے لوگوں کے سامنے ہوا۔ عشرہ مبشرہ میں سے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ کو محسوس ہوا کہ یہ سب مناسب نہیں ہے، اس لیے نہیں کہ خلیفہ کو عاجز نہیں ہونا چاہیے، بلکہ انہوں نے سوچا کے رومن سردار اس طرح کے کلچر میں رہے تھے جس میں لیڈرز کو ان کے گارڈ گھیرے میں لیے رکھتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ یہ کیچڑ والا منظر دیکھ کر وہ خلیفہ کی اتنی عزت نہیں کریں گے۔ اور اس وقت پورے خطہ زمین پر خلیفہ سے زیادہ کوئی اور عزت کا حقدار نہیں تھا۔ ابو عبیدہ نے خلیفہ کو کچھ مشورے دیے، عمر بن خطاب نے ان کو چھاتی پر ہلکی ضرب لگاتے ہوئے فرمایا میں تم سے یہ امید نہیں کر رہا تھا، ہم وہ لوگ تھے جن کی زمین میں کوئی وقعت نہیں تھی، اللہ سبحان تعالی نے ہمیں اسلام جیسی عزت بخشی، اور اگر ہم کسی اور طریقے میں عزت ڈھونڈیں گے، تو اللہ ہمیں پھر رسوا کر دے گا۔ یعنی ہماری عزت عہدوں ملازمتوں شہانہ سواریوں اور اسراف سے متعلق نہیں ہے۔ ہماری عزت صرف اسلام میں ہے ان کپڑوں میں نہیں جو ہم پہنتے ہیں۔ خلیفہ نے ایسا لباس پہنا ہوا تھا جس میں 14 پیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ کو سمجھا رہے تھے کہ اللہ ان کے دلوں میں ہماری عزت ڈالے گا۔ اور اگر ہم بھی کسی اور سطحی انداز میں اپنے آپ کو عزت دینے کی کوشش کرتے ہیں، تو اللہ سبحان تعالی ان کے دلوں سے وہ رعب نکال دے گا۔ اور سبحان اللہ عمر کتنے سچے تھے، جب یروشلم کے سرداروں نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو رونے لگے۔ سب لوگ اپنے گھروں کی چھتوں پر کھڑے ان کو دیکھ رہے تھے، انہوں نے عمر کے بارے میں سنا تھا لیکن کبھی دیکھا نہیں تھا, اور وہ کچھ اور ہی دیکھنے کی توقع میں تھے۔ لیکن وہ اسلام کی سادگی دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے شہر کی چابیاں عمر بن خطاب کے حوالے کیں۔ واللہ عالم ابن کثیر اپنی ہی کتاب میں یہ ذکر بھی کرتے ہیں، کہ ان کے علماء کے پاس جو کتابیں تھیں اس میں چابیاں لینے والے شخص کا ذکر تھا اور ایک نشانی یہ تھی کہ اس کے لباس میں چودہ پیوند ہوں گے۔۔۔۔

4۔ طاعون:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، کہ موت تم کو اس طرح کھا جائے گی، جس طرح بکریوں میں ایک بیماری اور تکلیف آتی ہے۔ اور یہ طاعون کی طرف اشارہ کیا جا رہا تھا۔ یہ طاعون یروشلم کے کھلنے کے بعد، شام میں 18 ہجری میں آیا۔ یہ مسلمانوں کے

لیے ایک بہت بڑی تباہی اور امت کے لیے ایک بڑا نقصان تھا، کیونکہ 25 ہزار سے زیادہ جید صحابہ فوت ہوئے۔ اس طاعون میں ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل اور ان جیسے کئی عظیم صحابہ بھی وفات پا گئے۔ وہ طاعون ان سب کے لئے ایک نعمت بن گیا، کیونکہ طاعون سے وفات پانا ایک قسم کی شہادت ہے۔

5۔ دولت کی بہتات اور کثرت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ دولت کی اتنی بہتات اور کثرت ہوگی، کہ اگر ایک انسان کو 100 سو دینار (اس وقت کی سونے کی کرنسی) بھی دے دیئے جائیں تو وہ خوش اور مطمئن نہیں ہوگا، یعنی وہ یہ کہے گا یہ کیا ہے، یہ تو کچھ بھی نہیں۔۔۔۔ یہ کسی حد تک تو پورا بھی ہو چکا ہے حضرت عمر بن عبد العزیز رح کے دور میں،، اس سلسلے میں کچھ واقعات بھی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رح کے دور میں افریقہ کی ریاست نے ان کو کچھ رقم بھیجی، عمر نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ ریاست افریقہ نے یہ رقم ان کو کیوں بھیجی ہے؟ اس رقم کو تو اسی ریاست کے امیروں سے لے کر غریبوں پر خرچ کر دینا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ زکوۃ کا حکومتی پیسہ مرکزی حکومت میں بھیجنے کی بجائے، مقامی حکومت کے پاس جمع ہونا چاہیے تا کہ وہ دولت کو وہاں مقامی لوگوں پر خرچ کر سکے۔ بہر حال پھر ان کو بتایا گیا کہ وہاں مقامی طور پر کوئی غریب آدمی ہی نہیں تھا۔ عمر بن عبد العزیز نے وہ پیسہ یہ کہتے ہوئے دوبارہ واپس بھجوا دیا کہ اس کو وہاں کی تعمیرات، راستوں اور غلاموں کے آزاد کرانے پر خرچ کیا جائے۔ اسی طرح ان کے دور میں یمن سے بھیجی گئی زکوۃ کا پیسہ بھی یہی کہتے ہوئے واپس بھجوا دیا گیا۔ یہ سب اس لیے تھا کہ اللہ نے ان کے رزق میں برکت عطا فرمائی تھی۔

لیکن اسی طرح یہ نشانی اور علامت بالکل آخری دور کے وقت کی طرف بھی اشارہ دے سکتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا، کے ایک ایسا وقت آئے گا کہ ایک انسان اپنی زکوۃ، صدقہ یا سونا لے کر باہر نکلے گا تا کہ اپنا یہ فرض ادا کر دے اور کوئی بھی اس سے یہ قبول نہیں کرے گا۔ صحیح مسلم۔۔۔۔

یعنی دولت اتنی عام ھو گئی اور ہر شخص بالکل مطمئن ہو گا، یہ حدیث ہمیں دو سبق دیتی ہے، لوگوں کے پاس بہت دولت ہو گی اور یہ کہ وہ لالچی بھی نہیں ہونگے۔ جیسا کہ آپ آج کل کے حالات میں دیکھ سکتے ہیں کہ کچھ لوگ بہت امیر ہوتے ہیں پھر بھی وہ صدقہ قبول

کر لیتے ہیں، بلکہ پیسہ غصب کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔۔۔۔۔رسول اللہ نے فرمایا کہ "زمین اپنے سونے اور چاندی کے ڈھیر باہر اگل دے گی، یہاں تک کہ ایک قاتل آئے گا اور کہے گا کہ اس سب کے لئے میں لوگوں کو قتل کر دیا کرتا تھا، پھر چور آئے گا اور کہے گا کہ اس کے لئے تو میں چوری کیا کرتا تھا، اور ایک جو اپنے خاندان کو دھوکہ اور رشتے داروں سے قطع تعلق کرتا تھا کہے گا کہ اس کے لیے میں اپنے خاندان سے لڑتا اور رشتے داریوں کو توڑتا تھا۔ اور اب ان سب کا دل اتنا مطمئن اور قانع ہو گا کہ ان میں سے کوئی بھی اس خزانے میں سے کچھ نہیں اٹھائے گا"۔ واللہ عالم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا نقصان جانتے ہوں یا بھگت چکے ہوں۔۔۔ کیونکہ ایک اور حدیث ہے کہ "دریائے فرات میں سے سونے کا ایک پہاڑ نکلے گا۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم اس کو دیکھو تو اس سے دور چلے جاؤ کیونکہ اس کی طرف جانے والے سو میں سے ننانوے قتل ہو جائیں گے"۔ یعنی دولت اور پیسے کے اوپر اتنا قتل وغارت ہو گا کہ سو میں سے صرف ایک ہی زندہ بچے گا، اور باقی لوگ یہ قتل وغارت اور تکلیف دیکھ کر ہی کہہ دیں کہ ہم اس خزانے کو ھاتھ نہیں لگاتے۔ واللہ اعلم۔۔۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہمارے لئے ایک تنبیہ ہے۔ رسول اللہ نے بیان کیا، مجھے دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں دی گئیں اور مجھے اس بات کی کوئی فکر مندی نہیں ہے کہ تم لوگ غریب ہو جاوگے، ہاں اس بات کی فکر ہے کہ تم اس دنیا پر ایک دوسرے سے مقابلہ کروگے اور پھر یہ دنیا تمہیں تباہ کر دے گی۔ یعنی اگر ہم مقابلہ کرتے ہیں اس دنیا کے مادی فوائد کے لئے، تو وہ ہمیں تباہ کر دیں گے۔ اس وقت دنیا میں جو غربت نظر آتی ہے، وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے نہیں ہے۔ اصل مسئلہ غیر منصفانہ تقسیم اور ظلم جیسے زکاۃ اور صدقات کا نہ دینا ہے۔ اگر آپ آج کی دنیا کا مشاہدہ کریں، تو یہ نظر آتا ہے کہ اس کا زیادہ تر انحصار وسائل پر نہیں ہے۔ یہ انسان ہے جو اس کا سب سے بڑا اثاثہ ہیں۔ مثال کے طور پر سیلیکون ویلی، یہ کچھ بھی نہیں، صرف زمین اور مٹی، لیکن اس روئے زمین پر اس وقت وہ سب سے زیادہ امیر ترین جگہ ہے، یہاں پر کوئی تیل نہیں کوئی سونا چاندی نہیں اور نہ کسی قسم کی زراعت ہے۔ یہ وہاں کے انسانی دماغی وسائل ہیں۔ بد قسمتی سے مسلم دنیا میں ہمارے پاس بہت سے قدرتی وسائل تو ہیں، لیکن ہمارے پاس ان کو استعمال میں لانے کے لیے کوئی صلاحیتیں موجود نہیں۔ اور اگر یہ صلاحیتیں موجود بھی ہو تو پھر بھی اللہ سبحان تعالی ہمیں کبھی بھی کفار کے طریقے پر برکت عطا نہیں کرے گا، جب تک کہ ہم اپنے مالی معاملات میں اللہ کی شریعت کے قانون کی پاسداری نہیں کرتے۔ ایک

انسان کے پاس بہت سی دولت تو ہو سکتی ہے، لیکن اگر اس دولت میں برکت نہ ہو، تو اس پیسے میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں۔ اگر آپ کے معاملات اللہ کے ساتھ دھوکہ اور دغا پر مبنی ہوں، تو مسلم دنیا کا پیسہ عمومی بھلائی اور خیر کا باعث نہیں بنے گا۔

6۔ آزمائش اور فتنوں کا دور:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحیح مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث میں بیان فرماتے ہیں، آزمائش اور فتنوں کے دور سے پہلے اچھے اور نیک کام کر لو، یہ دور ایک انتہائی اندھیری رات کی طرح ہو گا۔ رسول اللہ ہمیں سمجھا رہے ہیں، کہ ایک وقت آنے والا ہے جس میں آزمائشیں فتنے اور تکلیفیں اس طرح سے امت کو گھیر لیں گی جس طرح ایک گھنی سیاہ رات ہوتی ہے جس میں کچھ سجھا ہی نہیں دے گا، تو ایسے دور کے آنے سے پہلے پہلے نیکیاں کرنے میں جلدی کرو۔ یہ ایسا زمانہ ہو گا کہ ایک انسان صبح کو مومن ہو گا اور جب تک شام ہو گی تو وہ کافر ہو چکا ہو گا۔ اسی طرح ایک اور شخص جو شام کو مومن ہو گا اور پھر صبح تک وہ کافر ہو چکا ہو گا۔ رسول اللہ نے فرمایا کے ایسا اس لیے ہو گا کہ وہ اپنا دین تھوڑے سے دنیاوی فاہدے کے لئے فروخت کر رہے ہوں گے۔ یہ اپنے دلوں میں ایمان رکھتے ہوں گے لیکن کچھ تھوڑے سے دنیا کے فاہدے کے لیے بیچ ڈالیں گے۔

اسی حدیث کو امام احمد رح نے بھی بیان کیا ہے، جس کی تشریح کرتے ہوئے الحسن البصری رح فرماتے ہیں۔ اللہ کے نام کے ساتھ، میں نے کچھ لوگ دیکھے، جسم لیکن بغیر دماغ اور شعور کے، جس طرح پتنگے آگ کی طرف راغب ہوتے ہیں، اور مکھیاں لالچ کی طرف، وہ دو در ہم کے لیے اندر آجائیں گے اور پھر دو در ہم ہی کے لیے باہر نکل جائیں گے۔ اور ایک آدمی معمولی بکری جتنی قیمت پر اپنا دین بیچنے کے لئے تیار ہو گا۔ الحسن البصری نے یہ سب تابعین کے دور میں کہا تھا، حیرت کی بات یہ ہو گی کہ اگر وہ آج کل کے زمانے میں زندہ ہوتے تو کیا کہتے ؟؟..

ایک اور حدیث میں امام احمد رح روایت کرتے ہیں، ہو سکتا ہے یہ کسی دوسرے دور کے لئے ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (یہ پوری حدیث اوپر والی حدیث سے مماثلت رکھتی ہے بس آخر میں یہ اضافہ ہے)۔۔۔ اس دور میں ایک آدمی جو بیٹھا ہو گا وہ اس سے بہتر ہے جو کھڑا ہو، اور کھڑا بہتر ہے پیدل چلنے والوں سے جبکہ پیدل چلنے والا بہتر ہے اس سے جو دوڑ رہا ہو۔ اور اس دور میں اپنی کمانیں توڑ دو اور گھروں میں رہو۔ اور اگر تمہارے گھر میں کوہی داخل ہو جاہے تو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے

بہترین والے کی طرح بنو۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ بہتر ہے کہ اس دور میں آزمائشوں سے دور رہا جائے۔ ہر چیز اس طرح گھل مل غلط ملط ہو چکی ہو گی کہ صحیح غلط اور حق اور باطل میں تمیز کرنا بہت مشکل ہو چکا ہو گا۔ ہر چیز میں بہت شک وشبہ ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سمجھا رہے ہیں کہ ایسے حالات میں معاملات سے دور رہو۔۔۔۔ ایک بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے بہتر ہے یعنی اگر آپ دور یا لاتعلق ہیں تو اس سے بہتر ہیں جو کھڑے ہو کر معاملات میں حصہ لے رہا ہو۔ ایسے حالات میں کم سے کم حصہ ڈالیں اور گھروں میں رہیں۔ اور اگر کوئی آپ کے گھر میں داخل ہو جائے تو ہابیل جیسا رویہ اختیار رکھیں۔

آپ جانتے ہیں کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا، ہابیل نے اس وقت اپنے بھائی کہا تھا کہ اگر تم میری طرف اپنا ھاتھ بڑھاتے ہو مجھے قتل کرنے کے لیے، تو میں تم پر حملے کے لیے اپنا ھاتھ نہیں بڑھاوں گا۔

یاد رہے کہ یہ آج کل کے حالات کے لیے نہیں ہے، آج کل حق و باطل میں تمیز کرنا بلکل بھی مشکل نہیں ہے، یہ سب اس دور کے لئے ہے جس میں واقعی حق اور باطل میں تمیز کرنا بہت ہی مشکل اور ناممکن ہو جاہے گا۔

جہاں تک دور فتن کا تعلق ہے، ان میں سے بہت سے وقوع پذیر ہو چکے ہیں، اور کچھ ہیں جو ابھی تک ہمارے مشاہدے میں نہیں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں تھے تو انہوں نے مشرق کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہاں سے فتنہ ظاہر ہو گا، مزید فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہو گا۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ کچھ عظیم آزمائشوں اور مصیبتوں کا ماخذ مدینے کے مشرق میں تھا یا ہو سکتا ہے کہ آئندہ بھی ہو گا۔ یہاں یہ مطلب نہیں کہ سارے فتنے وہیں سے آئیں گے لیکن یہ کہ وہ ایک اہم خطہ ہو گا جہاں سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ مثال کے طور پر بہت سے منحرف گروہ مدینہ کے مشرق کی طرف سے آئے، سیاسی بدامنی ظاہر ہو ہی۔ تاتاری اور منگولین وہاں سے آے۔ اور آگے یاجوج ماجوج بھی اسی طرف سے ظاہر ہوں گے اور دجال بھی اسی علاقے سے آئے گا، وللہ عالم۔

وہ فتنے جو وقوع پذیر ہو چکے:

فتنے کا آغاز۔۔۔ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا قتل:

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا قتل، یہ فتنے کا آغاز تھا۔ اس واقعہ نے امت کے لیے فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے حذیفہ رض اور عمر ابن خطاب رض کے درمیان۔۔۔۔ عمر بن خطاب بہت سارے صحابہ کے ساتھ ایک مجلس اور اجتماع میں تھے، انہوں نے صحابہ سے پوچھا اچھا تم میں سے کون ہے جو مجھے فتنے کی حدیث سنائے، حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ بولے میں اور پھر انہوں نے ایک حدیث بیان کی۔ لیکن یہ وہ حدیث نہیں تھی جو عمر سننا چاہتے تھے۔ تو وہ بولے کہ میں آپ سے یہ نہیں پوچھ رہا تھا، میں آپ سے اس آزمائش اور فتنے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو ایک سمندر کی لہروں کی طرح ہو گا۔ حذیفہ رض نے جواب دیا کے آپ اس کے بارے میں فکر مند نہ ہوں کیونکہ آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ عمر رض نے مزید دریافت کیا کہ کیا یہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟؟ حذیفہ رض بولے کہ یہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔۔۔ اس پر عمر رض نے کہا اگر یہ ٹوٹ گیا تو پھر فتنوں کا دروازہ دوبارہ کبھی بھی بند نہیں ہو گا۔۔۔ یعنی اگر آپ ایک دروازہ کھولتے ہیں تو اس کو دوبارہ لاک کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر وہ ٹوٹ جائے تو پھر دوبارہ کبھی لاک نہیں ہو سکتا۔ جب حذیفہ رض نے سب بیان کر دیا، تو پھر صحابہ نے دوبارہ پوچھا کیا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ جانتے ہیں کہ وہ دروازہ کون ہے؟؟ حذیفہ رض نے جواب دیا جی ہاں کیونکہ میں یہ ان کو بتا چکا ہوں اور پھر حذیفہ رض یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ صحابہ نے ان کے پیچھے ایک شخص روانہ کیا جس نے ان سے جاتے ہوئے پوچھا کہ وہ دروازہ کون ہے؟۔ حذیفہ رض نے کہا عمر بن خطاب ہی وہ دروازہ ہیں۔ اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس امت اور فتنے کے درمیان ایک دروازہ تھے، ان کے دور میں استحکام اور سلامتی تھی، اس دور میں کوئی آزمائش اور مصیبتیں نہیں تھیں۔ ان کا دور توسیع کا دور تھا۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد ہی وہ وقت آیا جب فتنے شروع ہو گئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ بنے، اور پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ دونوں کے قتل میں فرق یہ تھا کہ عمر رض کو ایک غیر مسلم اسلام کے دشمن نے قتل کیا جبکہ عثمان رض کے وقت یہ مسلمانوں کی آپس کی رنجشیں اور لڑائی تھی۔

جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ تھے، تو مسلمانوں کے درمیان کچھ اختلافات ہوئے، یہ ایک فتنہ تھا جس کے آخر میں کچھ مسلمان خلیفہ کے گھر کے باہر جمع ہوئے اور اسے گھیر لیا، ان کا مطالبہ تھا کہ خلیفہ اپنا عہدہ چھوڑ دیں۔ عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ اللہ تعالی آپ کو ایک چادر عطا فرمائے گا اور اگر لوگ آپ سے اس چادر کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو ان کا یہ

مطالبہ نہ مانیے گا۔ عثمان رض کو اس وقت تو یہ حدیث سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جب لوگوں نے ان کو گھیر کر ان سے عہدہ چھوڑنے کی بات کی تو ان کو اس حدیث کا مطلب سمجھ آیا۔ اللہ نے ان کو خلافت عطا کی تھی اور یہ لوگ اسے واپس مانگ رہے تھے اس لیے عثمان رض نے انکار کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ان سے لڑنے سے بھی انکار کیا۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے خلیفہ کی حفاظت پر مامور تھے، انہوں نے خلیفہ سے اجازت طلب کی کہ ہمیں اجازت دیں کے ہم باغیوں کا قلع قمع کر دیں، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی مسلمان کا ایک خون کا قطرہ بھی بہانا نہیں چاہتا، اور میں اپنے آپ کو بچانے کے لیے کسی طرح کا خون خرابہ نہیں کرنا چاہتا۔ انہوں نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کو سختی سے منع کر دیا، پھر علی رض نے اپنے بیٹوں حسن رض اور حسین رض کو ان کے دروازے پر خلیفہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا، بر حال وہ سب باغی اندر آ گئے، کیونکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے جو کہ خلیفہ کے گھر کو گھیرے میں لیے ہوئے تھے اور آخر کار انہوں نے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل کر دیا۔ بعد میں یہ واقعہ امت لئے بہت بڑا فتنہ بن گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ایک حدیث میں یہ بیان کر چکے تھے، کہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ شہید کر دیئے جائیں گے۔ وہ احد کے پہاڑ پر ابو بکر و عمر اور عثمان رض کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے، کہ اچانک پہاڑ زلزلے کی وجہ سے ہلنے لگا، رسول اللہ نے احد پہاڑ کو حکم دیا کہ تھم جا، اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

جنگ جمل:

جب عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا گیا، تو کوئی خلیفہ نہیں تھا، اس لیے کچھ مسلمان اکٹھے ہو کر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ وہ ان کی بیعت کے لیے آئے ہیں۔ علی رض نے جواب دیا کہ نہیں مجھے بیعت نہیں چاہیے جب تک مسلمان آپس میں ایک شوریٰ بنا کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ انہوں نے علی رض کو بتایا کہ حضرت عثمان قتل ہو گئے اور ایک فتنہ پھیل چکا ہے، عثمان رض کے قاتل ہر جگہ پھیل جائیں گے اور پھر مصیبتیں بڑی سے بڑی ہوتی جائیں گی اس لیے آپ کو جلد از جلد خلافت قبول کرنی چاہیے۔ وہ اصرار کرتے رہے جب تک کہ علی رض نے رضامندی نہ ظاہر کر دی۔ ان کو ایک

قائد کی ضرورت تھی جو امت میں جائے اور مسلمانوں کو دوبارہ متحد کر دے۔ سب نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ان میں زبیر اور طلہار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، انہوں نے بھی بیعت کی۔

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں بھی داخل ہو چکے تھے، وہ ہزاروں میں تھے۔ حضرت عائشہ طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین کو انصاف کے مطابق سزا دی جائے۔ یہ ایک فوج کی شکل میں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان کو کہا کہ آپ کو ایک عدالت قائم کرنی چاہیے تاکہ خلیفہ کے قاتلوں کو انصاف کے مطابق سزا دی جاسکے، علی رض نے فرمایا کہ عثمان رض کے اولیاء یا لواحقین کو میرے پاس ان کا مقدمہ لے کر آنا چاہیے۔ اولیاء سب سے قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے، اسلامی شریعت میں اگر کسی کو جان بوجھ کر قتل کر دیا جائے تو اس کے لواحقین اس کے لیے انصاف کا مقدمہ قائم کرتے ہیں، اور ان کے پاس یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ وہ اس قتل کے بدلے قتل چاہتے ہیں یا وہ مالی بدلہ جسے دیت کہا جاتا ہے۔ یہ خاندان کا فیصلہ ہوتا ہے اس میں عدالت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ طلحہ زبیر اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رضامند ہو گئے، اس وقت تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ لیکن رات کے وقت انہی قاتلین عثمان جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں گھسے ہوئے تھے نے طلحہ زبیر اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج پر حملہ کیا، جو کہ وہاں پر لڑنے نہیں بلکہ صرف انصاف کے لیے دباؤ ڈالنے آئے تھے۔ لیکن باغیوں کے حملے کے بعد وہ سمجھے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج نے ان پر حملہ کیا ہے، اور اس طرح جنگ شروع ہوئی۔ یہ ایک بہت چھوٹی سی لڑائی تھی، کیونکہ بہت جلد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قائل کر لیا کہ حملہ ان کی طرف سے نہیں ہوا، اور اس معاملے میں جو ان کی رائے ہے وہی زیادہ صحیح ہے، جس پر سب کی مفاہمت ہو گئی۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا کہ تمھارے اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان کوئی معاملہ پیش آئے گا۔ یہ امام احمد رح نے روایت کیا ہے، علی ابن ابی طالب نے رسول اللہ سے پوچھا میرے اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان؟؟ رسول اللہ نے جواب دیا ھاں۔ جس پر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پھر میں تو لوگوں میں سب سے بدقسمت انسان ہوں، (کیونکہ اگر میرے اور تمام مسلمانوں کی ماں کے درمیان کچھ ہو تو بدقسمتی تو میری ہوگی). رسول اللہ نے جواب دیا کہ نہیں، اور جب بھی یہ واقعہ ہو تو اسے دوبارہ سلامتی کی طرف چھوڑ آنا۔ پھر علی رضی اللہ

تعالی عنہ نے اپنی فوج کے کچھ صحابہ کے ساتھ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کو مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیش گوئی تھی جو پوری ہوئی۔

جنگ صفین۔۔ صفین کی لڑائی:

یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بیان کیا، اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، کہ مسلمانوں کی دو بڑی افواج کے مابین جنگ ہو گی اور وہ ایک ہی مقصد کے لیے لڑ رہے ہوں گے۔ (یعنی دونوں اطراف ایک ہی چیز کی خواہش رکھتے ہوں گے، پھر بھی لڑائی ہو رہی ہو گی). یہ ایک تضاد ہے، آپ ایک ہی چیز کے لئے کس طرح لڑ سکتے ہیں؟؟ عام طور پر انسان دو مختلف وجوہات کے لئے لڑتے ہیں۔ اس کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتل حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فوج میں گھسے ہوے تھے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، معاویہ رض عثمان رض کے ولی یا لواحقین میں سے تھے، ان کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ عثمان رض کے معاملے میں انصاف مانگیں۔ انہوں نے حضرت علی رض سے کہا کہ قاتلین عثمان ان کے حوالے کئے جائیں۔ حضرت علی رض نے جواباً انہیں کہا کہ میں حوالے کر دوں گا لیکن اس سے پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور مجھے پورا اختیار دیا جائے۔ کیوں کہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے اور میں اس طرح سے ان کو حوالے نہیں کر سکتا جب تک کہ میرے پاس پورا اختیار نہ ہو۔ معاویہ رض نے کہا کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ آپ ان کو میرے حوالے نہیں کریں گے۔ یہاں سے فتنہ شروع ہوا۔ ان میں سے حق پر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ تھے، اور معاویہ رض نے اجتہاد کیا تھا اور یہ ایک غلط اجتہاد تھا، پھر بھی وہ ایک صحابی ہیں اور کاتب وحی بھی ہیں۔ رسول اللہ نے ان پر اعتماد کیا کہ وہ ان کے لئے قرآن کا کچھ حصہ لکھیں۔ اور رسول اللہ ان کے بہنوئی بھی ہیں۔ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ کی زوجہ محترمہ ان کی بہن تھیں۔ لیکن جو حق پر تھے وہ علی رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کی فوج تھی۔ اس کی نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی، کہ عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ اور عمار بن یاسر حضرت علی رض کی فوج میں لڑ رہے تھے جن کو معاویہ رض کی فوج نے شہید کر دیا۔ لیکن ہم اس معاملے میں معاویہ رض کو الزام اور طعن و تشرح نہیں کر سکتے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ دونوں طرف مسلمانوں کی جماعت ہو گی، اور یہ حدیث بخاری و مسلم کی روایت کردا ہے۔

الخوارج:

جب علی رض اور معاویہ رض کی لڑائی ہوئی، تو علی کی فوج سبقت لے گئی، معاویہ کی فوج نے قرآن اپنی تلواروں پر بلند کر کے ہتھیار ڈالے۔ جب علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ دیکھا تو جنگ بندی کر دی۔ وہاں پر کچھ ایسے لوگ بھی علی کی فوج میں تھے جو جنگ سے فائدہ اٹھا رہے تھے اور ان کو خون خرابے میں دلچسپی تھی، اسی وجہ سے وہ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ ان میں سے کچھ اپنے قبیلوں کے سردار تھے، یہ وہی تھے جو اس مسئلہ کو دونوں طرف سے ہوا دے رہے تھے، کیونکہ یہ دونوں طرف موجود تھے۔ انہوں نے وہاں کہنا شروع کر دیا کہ علی رض نے جنگ بندی کیسے کی؟؟ یہ تو اللہ کا حکم ہے۔۔ اور علی رض اللہ سبحانہ وتعالی کے حکم میں انسانوں کی رائے کی مداخلت کر رہا ہے۔ پہلے انہوں نے علی رض پر غلطی کا الزام لگایا، اور پھر آہستہ آہستہ کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ اس سے پہلے وہ معاویہ رض اور عمار رض پر بھی کفر کا فتویٰ لگا چکے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو علی کی فوج سے نکال لیا۔ یہیں سے ان کا نام الخوارج پڑا۔ اس کا مطلب ہے جو ٹوٹ کر باہر نکل جائے۔ حضرت علی رضی اللہ نے عبداللہ ابن عباس رض کو ان سے مناظرہ کرنے بھیجا، عبداللہ رض نے ان میں سے چار ہزار کو قائل کر لیا اور واپس لے آئے۔

یہ خوارج فرقہ کی تشکیل کا آغاز تھا۔

ان خوارج کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سے ہی تھا۔ ان کی ایک بڑی خصوصیت انتہا پسندی ہے۔ ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ ایک بار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو بنو تنیم سے ایک شخص جسے الخویصرہ کہا جاتا ہے رسول اللہ کے پاس بڑے فخر اور تکبر کے ساتھ آیا اور ان سے کہنے لگا "انصاف کرو". آپ اُس شخص کی بدتمیزی اور بے انصافی کا تصور کریں کہ یہ رسول اللہ کے پاس آ کر ان کو انصاف کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر اگر میں انصاف کرنے والا نہیں تو پھر کون انصاف کرنے والا ہو گا۔؟؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو خسارے میں پڑنے والا ہو جاؤں گا۔۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ سے کہا کہ مجھے اجازت دیجیے میں اس کا سر کاٹ دوں۔ رسول اللہ نے جواب دیا۔۔۔۔۔۔۔ اس کو اکیلا چھوڑ دو، اس کے پیروکار اور اولادوں میں سے ایسے ہونگے جن کو تم دیکھو گے، اور تمہاری نمازیں ان کے مقابلے میں ایسی محسوس ہوں گی جیسے کچھ بھی نہ ہو، اور ان کی نسبت آپ کا روزہ ایسا ہو گا جیسے کچھ بھی نہ ہو۔ رسول اللہ یہ بتا رہے تھے، کہ جس طرح سے یہ لوگ عبادت کریں گے آپ لوگ ان کی عبادت دیکھ کر یہ سوچیں گے کہ صحابہ

کی نمازیں وروزہ ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، باہر سے ان کے روزے اور نمازیں بہت زیادہ ہوں گی۔"یہ قرآن کی تلاوت کیا کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا"یعنی قرآن ان کے اعمال کو نہیں بدلے گا یا ان کے اندر موجود نہیں ہو گا، لوگوں کو ان کا قرآن تو بہت سنے گا لیکن وہ ان کے دلوں میں موجود نہیں ہو گا۔"یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح ایک تیر اپنے نشانے سے ہی باہر نکل جاتا ہے۔"اکثر اوقات آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایک تیر اتنی زور سے نشانے پر چوٹ لگاتا ہے کہ وہ اس کے آر پار ہو جاتا ہے۔ اور کئی بار تیر جسم سے اتنی تیزی کے ساتھ آر پار ہوتا ہے کہ اس پر ایک قطرہ بھی خون نہیں لگا ہوتا۔ یہ بھی اتنی رفتار کے ساتھ دین سے نکل جائیں گے جس کا اندازہ ہی نہیں ہو پائے گا۔ آپ ان کو دیکھیں گے کہ یہ بہت ساری نمازیں پڑھ رہے ہیں ہیں بہت سارے روزے رکھ رہے ہیں اور بہت ساری اور عبادات کرتے رہتے ہیں، لیکن وہ دین سے اتنی تیزی کے ساتھ نکل چکے ہوں گے کہ آپ یہ جان بھی نہیں پاہیں گے۔ ظاہری طور پر وہ بہت ہی عبادت گزار محسوس ہوں گے، لیکن ان کے سینے بدترین سختی اور دل چٹان جیسے ہونگے۔ اپنی اس انتہا پسندی کی وجہ سے وہ اتنی تیزی کے ساتھ دین سے نکلیں گے کہ آپ کو یاد بھی نہیں ہو گا کہ یہ دین کو کب کا چھوڑ چکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتا رہے تھے کہ ان کا منبع اور ماخذ الخویصرہ جیسے لوگ ہوں گے۔ یعنی کرختگی اور بدتمیزی، پتھر دلی خوارج کے فرقے کا ماخذ ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ رضی اللہ تعالی عنہ کے درمیان جنگیں کروائیں، اور جب مسلمانوں کے درمیان امن اور صلح کی فضا قائم ہونے کے قریب ہوئی تو یہ ان سے ٹوٹ کر باہر خارج ہو گئے۔ (یہ کتنا برا عمل ہے، کہ امن کے دور میں تو مسلمانوں سے نکل کر دور چلے جاؤ اور جب آپس کی کوئی جنگ ہو تو اس میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لو اور خون ریزی بھی کرو). ہمیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ وہی گروہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فوج میں سے ٹوٹ کر علیحدہ ہو گیا؟؟ تو اس کے لئے ہمیں البخاری کی روایت کردہ ایک مستند حدیث ملتی ہے، ابو سعید الخدری رض بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ "ان کے سرداروں میں سے ایک کالے رنگ کا شخص ہو گا جس کی بازو عورت کی چھاتی کے مشابہ ہو گی"، یعنی اس کی بازو میں کوئی ہڈی نہیں ہو گی۔ اور ایسا شخص حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فوج میں ہی سے ملا، جس کا تذکرہ ہم ابھی آگے بیان کرتے ہیں۔

خوارج نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ تم نے اللہ کے حکم سے غداری کی ہے۔ علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو جواب دیا کہ میں تم لوگوں کو کچھ رعایت دیتا ہوں، تم لوگ ہمارے ساتھ مسجدوں میں نماز پڑھ سکتے ہو، اگر تم چاہو تو میں مال غنیمت میں سے تم کو

حصہ بھی دے سکتا ہوں جبکہ وہ بانٹا جائے (یہاں پر علی رضی اللہ تعالی عنہ کی دریادلی ملاحظہ فرمایئے)، میں تمہیں اکیلا چھوڑ سکتا ہوں جب تک کہ تم کسی بھی مسلمان کے لیے مصیبت نا بنو اور انہیں بھی اکیلا نہ چھوڑ دو۔ لیکن خوارج نے مسلمانوں کو تنہا نہیں چھوڑا۔۔۔ خباب ابن عرد جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے، کا بیٹا اپنی زوجہ کے ساتھ عراق کا ایک سفر کر رہا تھا، خوارج نے اس کا راستہ روکا، اس نے اپنا تعارف صحابی کے بیٹے کی حیثیت سے کروایا۔ خوارج نے ان سے دریافت کیا کہ تم کس کی سائیڈ پر ہو، (یعنی علی رض کی طرفداری کرتے ہو یا پھر ہماری)۔ اس نے جواب دیا کہ میں تمہارے خلاف نہیں ہوں، لیکن ھاں میں حق کے ساتھ بھی ہوں۔ خوارج نے اس کو قتل کر دیا، ان کے ساتھ جو اہلیہ تھیں وہ اس وقت امید سے تھیں، خوارج نے پہلے ان کو قتل کیے بغیر ان کے پیٹ کو چاک کیا اور ان کا بچہ نکال کر ضایع کر دیا، پھر ان کو بھی مار ڈالا۔ اس کے بعد علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کے خلاف جنگ کا آغاز کیا، کیونکہ انہوں نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جب تک وہ مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، علی رضی اللہ تعالی عنہ ان کو کچھ نہیں کہیں گے۔ اس لیے اس صحابی کے بیٹے ان کی اہلیہ اور ان کے بچے کے خوفناک قتل کے بعد ان سے جنگ کی گئی۔ سبحان اللہ اس میں یہ سبق بھی ہے کہ اس وقت صرف ایک خاندان کی عزت کے لیے بھی پوری فوج کو کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

نہروان کی لڑائی:

علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے نہروان کی لڑائی میں خوارج کو شکست دی اور ان میں سے بہت سوں کو ہلاک کر دیا۔ سعید الخذری رض اس حدیث کو روایت کرتے ہیں جو اوپر بیان ہو چکی، کہتے ہیں کہ علی رض نے ہمیں حکم دیا کہ ان لاشوں میں اس شخص کی تلاش کرو جس کا حلیہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا، اور جب ہم نے اس کو تلاش کر لیا تو دیکھا کہ اس کا حلیہ ہو بہو وہی ہے جو اللہ کے نبی نے بیان فرمایا تھا۔۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کے بارے میں یہ کہا تھا کہ جو ان کو قتل کرے گا اس کے لیے بڑا انعام ہے، کیونکہ ان کے بارے میں ایک مستند حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اس وقت تک زندہ رہوں تو ان کو مکمل طور پر قتل کر دوں، جس طرح عاد کی قوم کا مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا تھا۔ مکمل خاتمہ مگر کیوں؟؟ صرف ان کی ذہنیت کی وجہ سے، اس ذہنیت سے نمٹنے کا سوائے مکمل خاتمے کے اور کوئی حل نہیں ہے، آپ ان سے کوئی بحث یا مناظرہ نہیں کر سکتے، آپ ان کی انتہا پسندی کا کوئی علاج نہیں کر سکتے، یہ صرف اور صرف خون کے پیاسے ہوتے ہیں اور خونریزی چاہتے

ہیں، یہ امن کے خواہاں نہیں ہوتے، اور نہ ہی کبھی امن پر سمجھوتہ کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا مکمل خاتمہ ضروری ہوتا ہے، کیونکہ اگر آپ ان کو اکیلا چھوڑ بھی دیں تو یہ آپ کو پھر بھی امن میں رہنے کے لئے نہیں چھوڑیں گے۔

اس ذہنیت کے لوگوں نے مسلمانوں کو بہت سی پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے۔ بہت سارے بڑے بڑے فتنے انہیں کی ہی وجہ سے شروع ہوئے۔ کچھ بڑے محدث علماء نے یہ لکھا ہے، کہ ہم نے خوارج کو کبھی بھی حدیث کو گھڑتے ہوئے نہیں پایا، خوارج جھوٹ بھی نہیں بولتے، لیکن ان کے ذہن بہت زیادہ سخت ضدی اور ظالم ہوتے ہیں۔ اانہیں انسانوں کو قتل کرنے اور خونریزی میں کسی بھی قسم کی پشیمانی اور ملامت نہیں ہوتی۔

الخوارج کا فتنہ اسی دور کا ایک عارضی فتنہ نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی ان میں سے ایک نسل رخصت ہو جائے گی، تو کچھ عرصے میں ان کی ایک دوسری نسل دوبارہ ظاہر ہو جائے گی، یہاں تک کہ دجال کا ظہور ہو جائے گا۔

لیکن ان کا یہ تسلسل ایک ہی طرح کا نہیں ہو گا، کیونکہ یہ اپنی نسل ایک ہی طرح سے جاری نہیں رکھ سکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اگر کسی باہر کی قوت سے لڑتے ہوئے نہ بھی مارے جائیں تو یہ آپس میں ہی لڑ کے ایک دوسرے کو مار ڈالتے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ میں یہ انتہاپسندانہ ذہنیت کسی اور گروہ کے دماغوں کو متاثر کرتی ہے پھر وہ ایک دوسرے کو ہلاک کرتے یا خون ریزی کرتے ہیں، اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس لیے ان میں سے ایک نسل دوسرے کی تربیت نہیں کرتی یعنی یہ نسل در نسل نہیں چلتے، کیونکہ ان کو بس لڑائی کے لیے کچھ انسان چاہیے ہوتے ہیں جو ان کو نہ ملیں تو یہ آپس میں ہی لڑ کر ایک دوسرے کو ختم کر لیتے ہیں۔ اور یہ انتہاپسندی پھر کسی اور گروہ میں منتقل ہو جاتی ہے، یمن میں اس حوالے سے ایک قول مشہور ہے، کہ اگر ان کو اختلاف رائے کے لئے کوئی اور انسان نہ ملے، تو یہ اپنے ہی پیروں سے اختلاف رائے کر لیتے ہیں۔ یہ خارجی ذہن کی ایک نشانی ہے۔ ان کو بس لڑنا ہے اور کوئی انسان میسر نہ آئے تو یہ اپنے آپ ہی سے لڑنے کا آغاز کر دیتے ہیں۔

ابن ماجہ رح کی ایک روایت کے مطابق عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ "جب بھی ان میں سے ایک نسل ظاہر ہو گی، تو اس کا صفایا کر دیا جائے گا، پھر دوبارہ ایک اور نسل سامنے آئے گی، اس کو بھی کاٹ ڈالا جائے گا"۔ (ان کا یہ صفایا یا تو باہر کی قوتیں کریں گی یا یہ خود ہی ایک دوسرے کا صفایا کر دیں گے)، عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے یہ جملے بیس دفعہ دہرائے۔ اور پھر فرمایا کہ یہاں تک کہ دجال ظاہر ہو جائے گا۔ عبد اللہ ابن عمر رض فرماتے

ہیں کہ یہ لوگوں میں سے بدترین لوگ ہوں گے کیونکہ کہ یہ وہ آیتیں جو غیر مسلموں کے لیے نازل ہوئی ہیں ان کو اٹھا کر پہلے تو مسلمانوں پر لاگو کریں گے، پھر ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیں گے۔ اور کسی پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دینا ان کے لیے ایک بہت ہی آسان عمل ہو گا۔ اس تکفیر کے بعد وہ مسلمانوں کا قتل عام کریں گے۔ یہی ان کی ایک بڑی اور واضح خصوصیت ہو گی۔ یہ آتے رہیں گے اور آخر میں یہ دجال کے ساتھ مل کر بھی خونریزی کریں گے۔

اگلی نشانی۔ الحسین ابن ابی طالب رض کی شہادت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار جبرائیل علیہ السلام نے سرخ رنگ کی مٹی پیش کی، جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ کو بتایا کہ آپ کا نواسہ شہید کر دیا جائے گا، اور یہ اس علاقے کی مٹی ہے جس میں وہ شہید ہونگے۔ پھر انہوں نے کچھ مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس خلافت چھے مہینے تک رہی، پھر انہوں نے یہ خلافت خود ہی ترک کر دی۔ پھر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کے لیے، عراق کے کچھ قبیلوں نے ان کی حمایت کا وعدہ کیا اور یقین دہانی کروائی۔ الغرض ان سب کی بنوامیہ کی فوج کے ساتھ جنگ ہوئی جس میں ان قبیلوں نے حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو دھوکا دیا، اور آخر میں صرف حسین رض اور اہل بیت کا کچھ گروہ ان کے ساتھ رہ گیا۔ وہ بنوامیہ کی فوج سے آخر تک لڑے، اور ان میں سے سب شہید ہو گئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی سب سے بڑی خونریزی تھی۔ یہ امت کی تاریخ کا ایک بہت تاریک اور بھیانک نکتہ ہے۔ کہ امت نے اپنے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ یہ بدترین فتنہ اور افسوسناک واقعہ یزید ابن معاویہ کے دور میں وقوع پذیر ہوا۔ اس یزید نے مدینہ منورہ میں بھی حملہ کر کے کئی دن تک قتل عام کیا، اور انصار کے بیشتر افراد کو ہلاک کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی پہلے ہی بیان فرما دیا تھا کہ وہ مدینہ پر فتنوں کی بارش ہوتے دیکھ رہے ہیں۔

7۔ جھوٹی نبوت کے دعویدار:

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فیصلے کا دن اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک تیس جھوٹے نبی پیدا نہ ہو جائیں ان میں سے ہر ایک کا یہ دعوی ہو گا کہ وہ رسول ہے"۔ اور اگر اس امت میں پچھلے چودہ سو سال میں

جھوٹے نبوت کے دعوے داروں کو جمع کیا جائے تو وہ تیس سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ حدیث کے راوی بیان فرماتے ہیں کہ یہاں ان جھوٹے نبوت کے دعویداروں کی بات ہو رہی ہے جن کے پیچھے ایک بڑی عوام ہو گی اور ان کی پیروی کرے گی اور وہ مشہور و معروف بھی ہونگے۔ یہاں ان کی بات نہیں ہو رہی، جو پاگل اور خبطی ہوتے ہیں اور وہ نبوت کا دعوی کر بیٹھتے ہیں۔ سب سے مشہور نبوت کے دعویدار تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پیدا ہو گئے تھے، ان میں سے ایک مسیلمہ الکذاب اور دوسرا الاسود العنسی یمن سے تھا۔ مسیلمہ بنو حنیفہ کے دیہاتیوں میں سے تھا، یہ ایک بڑا قبیلہ تھا، جو کہ یمامہ کے علاقے میں واقع تھا۔ وہ قبائلی عصبیت پر کھیل رہا تھا، اس کا کہنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے اور میں بنوں حنیفہ میں سے۔ رسول اللہ شہر کے باسی ہیں، جب کہ ہم دیہات کے باشندے ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ کوئی بھی جھوٹا دعوی کرنے والا لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے کچھ خاص قسم کے لالچ دھوکے یا پھر وابستگی اور پسندیدگی استعمال کرتے ہیں۔

مسیلما جانتا تھا کے لوگوں کے دلوں میں عصبیت ہے، اور اس نے اسی دھوکے کو استعمال کیا۔ اس کے دائیں ہاتھ کا سب سے بڑا حامی واضح طور پر لوگوں کو کھڑے ہو کر کہتا تھا کہ بنو حنیفہ کا جھوٹا قریش کے سچے سے بہتر ہے۔ اس کے بہت سے پیروکار یہ جانتے تھے کہ یہ جھوٹا ہے اور اس کا قرآن بہت مضحکہ خیز تھا۔ یہ ایک موضع ہے کہ آپ کو شاعری کے مطابق ذہین و فتین اور اچھے ادب والے لوگ ملیں گے لیکن اگر وہ قرآن کریم کو بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ایسی چیز لے کر آتے ہیں جو نا قابل اعتبار، مضحکہ خیز ہوتی ہے۔ ایک بہت ہی مشہور اور گھمنڈی عرب شاعر جو کہ نابینا تھا، ایک بار قرآن جیسا کلام بنانے بیٹھا۔ وہ بہت مغرور تھا، اور اس کی انا بھی بہت بڑی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد جب لوگوں نے اس سے پوچھنا شروع کیا کہ کہاں ہے وہ قرآن جس کا آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا؟؟ اس کا جواب سیدھا اور صاف تھا کہ اس کے بارے میں بھول جاؤ، یہ میں نہیں کر سکتا۔ مسیلمہ کذاب کی پیروی کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے، یہ بہت بڑا فتنہ تھا اور یہ فتنہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا دور نہیں آیا۔ پھر اس دور میں ان سے لڑائی ہوئی اور وہ بد ترین لڑائیوں میں سے ایک تھی کیونکہ اس میں دسیوں حفاظ صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ اور اس طرح قرآن پاک کو ایک رسم الخط میں محفوظ کرنے کا آغاز ہوا۔ مصحف کے کام کا آغاز ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور تک چلتا رہا۔ پھر ایک مشہور جنگ الحدیقہ میں مسیلمہ کذاب آخر کار مارا گیا۔

رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ انہوں نے سونے کے دو کنگن پہن رکھے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں فکر مند ہوا۔ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ اس پر پھونک مارو، میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ تو صحابہ رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس کی تعبیر بتائیے۔۔ رسول اللہ نے تعبیر بتائی کہ میری امت میں دو بڑے جھوٹے آئیں گے، یعنی وہ مسلمہ کذاب اور الاسود العنسی کی بات کر رہے تھے۔ مسیلمہ کذاب نے جنگ میں ہلاک ہونے سے پہلے ایک عورت سے شادی کی تھی۔ جس نے خود بھی نبوت کا دعوی کر رکھا تھا لیکن اس کے اتنے پیروکار نہیں تھے، ان دونوں نے سیاسی وجوہات کی بنا پر ایک دوسرے سے شادی کر لی، اور جب مسیلمہ کذاب ہلاک ہو گیا اور اس کی بیوی نے دیکھا کہ میری نبوت میں کوئی اضافہ تو ہو نہیں رہا، اس لیے وہ سب کچھ چھوڑ کر دوبارہ مسلمان ہو گئی۔ مزید یہ کہ الاسود العنسی کو اس کی جگہ پر یمن میں ایک شخص نے جہنم واصل کیا جس کا نام فیروز تھا۔

ایک اور شخص جس کا نام تلیحہ الاصدی تھا، اس نے بھی نبی ہونے کا دعوی کیا، لیکن پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ بعد میں ٹھیک مسلمان تھا۔ واللہ اعلم، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تلیحہ الاصدی یا پھر مسیلمہ کذاب کو جب قران کریم پڑھنے کا کہا جاتا تو وہ ہمیشہ ایک آیت ہی پڑھتے جس میں کھانے کا ذکر ہوتا۔ اور لوگ یہ کہتے کہ ہم نہیں جانتے کہ فرشتہ ان کے دل پر وحی لے کر آیا ہے یا پھر ان کے معدے پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔

المختار ابن عبید التقفی نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا۔ اور آج کل کے دور میں غلام احمد قادیانی جو قادیانیت مذہب کا بانی ہے اس نے بھی نبوت کا دعوی کیا۔ اسے بھی 30 نبوت کے دعوی داروں میں شامل کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے بھی کافی کثیر تعداد میں پیروکار موجود ہیں۔ یہ دعوی شریعت میں کفر ہے اور پاکستانی حکومت کی طرف سے بھی ایسے دعوے کو کفر گردانا گیا ہے۔۔۔


الآخرہ
دی آفٹر لائف
امام انور الولکی
HEAVEN
GRAND CENTRAL
HELL
Chapter 5
مترجم: وقاص بن اکرم
معاون: فیصل بن نذیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الآخرہ دی آفٹر لائف cd5 امام انور الولکی

8۔ دنیا بھر میں امن کا پھیلاؤ:

علامات صغریٰ میں ایک اور نشانی، جس کا ذکر ایک حدیث میں کیا گیا ہے کہ دنیا میں امن پھیل جائے گا، اور پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتنہ پھیل جائے گا، جبکہ ان دونوں باتوں کا ذکر ایک ہی حدیث میں ہوا ہے۔ لہذا ان کا مختلف وقت یا جگہ پر ہونا ضروری ہے۔ جب بھی لوگ اسلام کی پیروی کریں گے تو امن ہو گا۔ اور جب مذہب کو نظر انداز کیا جائے گا یا دین کا فقدان ہو گا وہاں بدعنوانی اور بہت سی ہلاکتیں اور فتنے ہوں گے۔۔۔ خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور رسول اللہ خانہ کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما تھے، خباب رض رسول اللہ کو مشکل حالات کے بارے میں شکایت کرنے لگے جو صحابہ کو ابتدائی اسلام کے ایام میں درپیش تھے۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کیا آپ ہماری آسانی کے لیے دعا نہیں مانگیں گے ؟؟. رسول اللہ اٹھ کر سیدھے بیٹھے اور غصہ ان کے چہرے پر ظاہر ہوا پھر بیان کیا کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے ان میں سے ایک کو زمین پر چت لٹا کر ان کے سر کی جانب سے ایک آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے، اور وہ اپنا دین نہیں چھوڑتا تھا۔ پھر ایک اور ایمان والے کو لوہے کے کھوں سے باندھ دیا جاتا یہاں تک کہ اس کے گوشت کو ہڈیوں سے الگ کر لیا جاتا وہ بھی اپنا مذہب نہیں چھوڑتا تھا۔ لیکن تم لوگ جلدی مچا رہے ہو۔". اگرچہ صحابہ سخت حالات اور آزمائشوں سے دوچار تھے، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہیں صبر کرنا پڑے گا جلدی نہ کرو"۔ رسول اللہ نے سمجھایا کہ تم سے پہلے لوگوں پر تم سے بھی زیادہ کٹھن آزمائیشیں آئی تھیں، جس میں وہ ثابت قدم رہے، ذرا تصور کریں کہ ایک آدمی کو آرے سے دو حصوں میں کاٹا جا رہا ہو بھلا اس سے بھی بڑی آزمائش کوی ہو سکتی ہے۔ اس لیے صبر کرو۔ اللہ اس دین کو پورا کرے گا، اللہ اس دین کو فتح عنایت کرے گا یہاں تک کہ ایک مسافر سما سے حضر موت تک کے سفر کے لیے نکلے گا، اور کسی سے خوف محسوس نہیں کرے گا ماسوائے اللہ سبحان وتعالی کے یا جنگلی جانوروں اور بھیڑیے کے۔ سما اور حضر موت ایک قبائلی علاقہ تھا، جس کا سفر اس زمانے میں کوئی محفوظ سفر نہیں تھا، جب بھی کوئی قافلہ یہ سفر کرتا تو اس کے ساتھ ایک فوج ہوتی تھی جو اس کی حفاظت کرتی تھی۔ اسلام کے

ابتدائی ایام میں اس علاقے کے امن کی خبر دی جارہی تھی، جو ایک بار تو پوری بھی ہو چکی، اور یہ مستقبل میں دوبارہ ایک دفعہ پھر پوری ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ عرب کی سرزمین پر دریا اور جنگل ہوں گے (یعنی یہ زمین سرسبز و شاداب ہو جائے گی)۔ اور ایک مسافر عراق سے مکہ کے لیے نکلے گا جسے کسی بھی قسم کا خوف نہیں ہو گا ماسوائے راستہ بھول جانے کے۔

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَعُودَ أَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوجًا وَأَنْهَارًا ، وَحَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ بَيْنَ الْعِرَاقِ وَمَكَّةَ لَا يَخَافُ إِلَّا ضَلَالَ الطَّرِيقِ

بخاری کی ایک اور روایت ہے، عدی بن حاتم رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے، عدی شمالی عرب میں ایک بہت بڑے قبیلے کے رہنما تھے، اس وقت وہ عیسائی تھے، اور ایک بڑی شخصیت تھے۔ وہ اس طرح اندر داخل ہوئے کہ ان کے سینے پر ایک صلیب کا نشان لٹک رہا تھا۔ رسول اللہ نے ان سے کہا کہ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ "انہوں نے اپنے پادریوں اور ربعایوں کو اللہ کے سوا معبود بنا رکھا ہے". اور اس وجہ سے ان کے مابین گفتگو شروع ہو گی۔ اتنے میں ایک شخص داخل ہوا اور مدد کی درخواست کرنے لگا، اس وقت مسلمان ابتدائی آزمائشوں کے دور سے گزر رہے تھے، رسول اللہ عدی بن حاتم کو دعوت دے رہے تھے، بہت سے مسلمان غلام تھے یعنی ان کے حلیے اتنے اچھے نہیں تھے، ہو سکتا ہے عدی کے دل میں خیال آیا ہو کہ اسلام غریبوں کے لئے ہے۔ رسول اللہ نے ان کا یہ خیال بھانپ لیا اور فرمایا میرے لوگوں کی غربت اور پریشانی کو دیکھ کر اپنی رائے کی بنیاد مت بناؤ، ایک وقت آئے گا کہ اس امت میں اتنا مال و دولت ہو گا، اور اس قدر امن ہو گا کہ ایک مسافر عورت سفر کے لیے الحیرہ سے مکہ کی طرف نکلے گی، اور وہ رستے میں کسی سے خوف محسوس نہیں کرے گی ماسوائے اللہ سبحان تعالی کے، عدی جو اس دوران کچھ سوچ رہے تھے بولے، تو طے کے لٹیروں کا کیا ہو گا؟؟ عدی طے قبیلے سے تھے اور وہ اپنے قبیلے کے بارے میں خوب جانتے تھے۔ کیونکہ ان کے قبیلے کے مسلح لٹیرے کسی کو بھی اس علاقے سے لوٹے بغیر نہیں چھوڑا کرتے تھے۔ اور وہ اس وقت سوچ رہے تھے "کہ یہ کیسے ممکن ہو گا""؟؟. اور پھر عدی رض فرماتے ہیں قَالَ " فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ، حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ، لاَ تَخَافُ أَحَدًا إِلاَّ اللَّهَ " . قُلْتُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي فَأَيْنَ دُعَّارُ طَيِّئٍ الَّذِينَ قَدْ سَعَّرُوا الْبِلاَدَ کہ وہ اس دور تک زندہ رہے اور انہوں نے پھر اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ ہوتے بھی دیکھا۔ (عدی رض بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور وہ صحابہ میں سے تھے۔). مکمل دنیا میں امن کا پھیلاؤ حضرت مہدی علیہ السلام اور عیسی علیہ السلام کے دور میں ہو گا۔

عَنْ خَبَّابِ بْنِ الأَرَتِّ، قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، قُلْنَا لَهُ أَلاَ تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلاَ تَدْعُو اللَّهَ لَنَا قَالَ " كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ، فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ، مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ، لاَ يَخَافُ إِلاَّ اللَّهَ أَوِ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ

9۔ حجاز میں آگ کا ظہور:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ، تُضِيءُ أَعْنَاقَ الإِبِلِ بِبُصْرَى کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ حجاز کی سرزمین سے آگ نہیں نکلے گی گی جو کہ بوصرہ کے اونٹوں کی گردنوں پر روشنی ڈالے گئی۔ بوصرہ شام کا ایک قصبہ ہے، اور یہ عراق کے بصرہ سے جدا ہے۔ اور مکہ اور مدینہ کے علاقے کو حجاز کہا جاتا ہے۔ بوصرہ اس علاقے سے سینکڑوں میل دور ہے۔ یہ نشانی اصل میں وقوع پذیر ہو چکی ہے، اور یہ ایک آتش فشاں سے ظاہر ہوئی جو کہ مدینہ کے قریب تھا۔

اس نشانی کو عن نواوی کے زمانے میں دیکھا گیا تھا۔ عن نواوی کہتے ہیں، کہ 1654 ہجری میں مدینہ منورہ میں ایک بہت بڑی آگ بھڑک اٹھی۔ جس پر ابن کثیر لکھتے ہیں، کہ بوصرہ میں موجودہ دیہاتی اس آگ کی روشنی کی چمک، اپنے اونٹوں کی گردنوں پر دیکھ سکتے تھے۔ اس پر ابن حجر فرماتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آتش فشاں والا واقع جو مدینہ منورہ میں ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق تھا، اور انھوں نے اسی کے بارے میں بیان فرمایا تھا۔ اور یہی بات القرطبی اور کچھ دوسرے علماء نے بھی تحریر کی ہے۔

10۔ ترکوں کے ساتھ جنگ:

یہاں یہ خاص طور پر اناطولیہ یا ترکی میں رہنے والے لوگوں کے بارے میں بات نہیں ہو رہی، ترکی کے رہنے والوں نے بنیادی طور پر ترکمان سے ہجرت کی؛ یہ اصل میں قبائل اور لوگوں کی شاخیں ہیں جو کہ چائنہ تک جا ملتی ہیں۔ ان لوگوں کے کچھ مخصوص حلیے اور خصوصیات ہیں۔ بخاری کی روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الأَعْيُنِ، حُمْرَ الْوُجُوهِ، ذُلْفَ الأُنُوفِ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ، وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کے تم ترک کے ساتھ ایک جنگ نہیں کرتے، یہ لوگ چھوٹی آنکھوں والے، گول اور سرخ

چپرے اور چپٹے ناک والے ہوں گے۔ ان کے چہرے چمڑے کی تہہ والی ڈھال کی طرح نظر آئینگے۔ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ تم ایسے لوگوں سے جنگ نہ کرلو جن کے جوتے بالوں سے بنے ہوں گے۔ بیان کی گئی یہ خصوصیات، منگولین اور تاتاری لوگوں پر بالکل پوری اترتی ہیں۔ ان کے کپڑے بھی اون کے بنے ہوئے تھے اور ان کے جوتے بھی بالوں سے بنائے گئے تھے۔ سبحان اللہ مسلمانوں نے ان لوگوں سے ہی جنگیں کیں جن کا یقینی حلیہ اور خصوصیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بیان فرمادیں تھیں۔ ان سے جنگوں کا آغاز بہت پہلے سے ہو چکا، اور پھر منگولین جو کہ انہی لوگوں کی ایک شاخ ہے نے پوری مسلم دنیا میں پھر کر اسے تباہ وبرباد کر دیا۔ یہ سب جنگیز خان اور تیمور لنگ کی سربراہی میں تھے۔ ان جنگجو رہنماوں نے پوری دنیا کو تباہ و برباد کر دیا یہاں تک کہ یہ مشرقی یورپ اور روس تک چلے گئے۔ یہ بہت مضبوط اور زبردست جنگجو لوگ تھے۔ انہوں نے بغداد کو برباد کر دیا اور 20 لاکھ مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ یہ مسلمانوں کی کھوپڑیوں کو لے کر ان سے مینار تعمیر کرتے تھے۔ یہ بغداد کی لائبریریوں کی کتابوں کو نکال کر ان سے دریاؤں پر پل بنالیتے تھے، یہ کتابیں ہزاروں مسلم ذہنوں کی انتھک محنت اور کاوشوں کی عکاس تھیں، اور اپنے اصل اور ایک ہی نسخہ پر مشتمل ہوتی تھیں، کیونکہ اس وقت تک چھاپا خانے یا پرنٹر تو نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی لائبریری یعنی بغداد کی ہر کتاب کو دریا سپرد کر دیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کتابوں کی سیاہی سے دریاؤں کا پانی بھی سیاہ ہو گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ، وَحَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ، صِغَارَ الأَعْيُنِ، حُمْرَ الْوُجُوهِ، ذُلْفَ الأُنُوفِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ . وَتَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كَرَاهِيَةً لِهَذَا الأَمْرِ، حَتَّى يَقَعَ فِيهِ، وَالنَّاسُ مَعَادِنُ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الإِسْلاَمِ کہ تم ترک سے لڑو گے (اور اوپر بیان کی گئی ساری خصوصیات) کے بعد مزید بیان فرماتے ہیں، کہ تم لوگ دیکھو گے کہ اس دین کے سب سے بہترین لوگ وہ ہونگے جو اس دین کے بدترین دشمن رہ چکے ہوں گے جب تک کہ اسلام قبول نہ کرلیں۔ اور تم میں سے دور جہالت کے بہترین لوگ ہی ہیں جو کے اسلام میں بھی بہترین ہوں گے، اگر تم سمجھو!.... یہ منگولین اگرچہ کے فاتح اور حکمران تھے، پھر بھی انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ انسانی دنیا کی پوری تاریخ میں کبھی آپ کو یہ نہیں ملے گا کہ وہ طبقہ جس نے فتح اور حکمرانی حاصل کی ہو، وہ ہارے ہوئے طبقے کا مذہب قبول کرلیں۔ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ شکست خوردہ لوگ ہی فاتح قوم کے مذہب کو قبول کر لیتے ہیں۔ ہارے ہوئے لوگ زیادہ تر فتح پانے والے اور مضبوط لوگوں کی طرح بننا چاہتے ہیں۔ لیکن منگولین مختلف تھے، وہ آخر میں خود ہی مسلمان ہو گئے، گو کہ اس تبدیلی کے لئے ان کو کافی وقت لگا۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھی جو تاتاری خود مسلمان تھے وہ پھر بھی مسلمانوں سے ہی لڑ رہے تھے، اور مسلمان دنیا کو برباد کر رہے تھے۔ یعنی انہیں دین کو سمجھنے اور دین میں کلی طور پر شامل ہونے کے لیے بھی کافی وقت لگا۔

عثمانی کون تھے؟ یہ وہ ترک لوگ تھے جو وسطی ایشیا کے علاقے سے ترکی کی طرف ہجرت کر کے آئے تھے، جو کہ اس وقت بازنطینی سلطنت تھی۔ یہ مشرقی رومن بازنطینی سلطنت تھی۔ اور ترکوں کا یہ چھوٹا قبیلہ اناطولیہ میں گیا اور وہاں رہنے لگا۔ اگرچہ یہ چھوٹا ترک قبیلہ تھا، لیکن اس نے اپنے آس پاس کے رومیوں کے ساتھ لڑائی شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے علاقے کو بڑھایا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ انہوں نے بزنطینی سلطنت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک قبیلے سے شروع ہوا اور اس نے بزنطینی سلطنت کو ختم کر کے رکھ دیا، پھر انہوں نے پوری مسلم دنیا پر بھی حکومت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی اس حدیث میں بیان کیا، جو اوپر بیان کی گئی، مثال کے طور پر عمر ابن خطاب اسلام کے بدترین دشمن تھے لیکن پھر وہ بہترین صحابہ میں سے بھی بنے۔

11۔ اعتماد کا فقدان:

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشان یہ بھی ملتا ہے کہ لوگ بہت دھوکے باز اور بے ایمان ہونگے۔ یہ نشانی ایک خاص قسم کی امانتداری کے بارے میں بات کر رہی ہے۔ بخاری کی روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ "اگر اعتماد ختم ہو جاتا ہے تو پھر قیامت کا انتظار کرو"۔ یعنی اگر آپس میں اعتماد کا فقدان ہو جائے تو آپ سمجھ جائیں کہ اب قیامت قریب ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ سے سوال کیا کہ اعتماد کس طرح ختم ہو گا؟ رسول اللہ نے جواب دیا إِذَا أُسْنِدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ، فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ کہ جب ایسے لوگوں کو اختیار دے دیا جائے گا جو کہ اس کے اہل اور مستحق نہیں ہونگے، تو پھر قیامت کا انتظار کرو" اس کا مطلب جب لیڈر صوفہاہ ہوں گے یعنی ایسے لوگ جن کو دین کی کچھ بھی سمجھ نہیں ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی قیادت کے منصب یا عہدے پر کوئی تقرری کرتے ہو، اور تمہیں معلوم ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس سے بہتر کام سرانجام دے سکتا ہے، تو تم نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ قیادت اور اختیارات کے منصب ایک

امانت ہیں۔ اور جب بھی ہم محسوس کریں کہ اس امانت میں خیانت ہوئی ہے، اور جن لوگوں کو اختیارات دے دیئے گئے ہیں، وہ ایسے قائد ہیں جن میں نہ تو کوئی سمجھ بوجھ، نا دین کا فہم، اور نہ ہی رحم پایا جائے، تو یہ جان جاہیں کہ قیامت قریب ہے۔

12۔ علم کمیاب ہو جائے گا اور جہالت غالب آجائے گی:

بخاری سے روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا" قیامت کی کچھ نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ علم کو اٹھالیا جائے گا، اور اس کی جگہ جہالت لے لے گی۔ "یعنی علم دور کر دیا جائے گا اور لوگوں کے دل و دماغ پر جہالت کا قبضہ ہو جائے گا، یہ کیسے ہو گا؟؟ کیا ایک عالم رات کو سونے کے لئے جائے گا اور صبح اٹھنے پر وہ سب کچھ بھول چکا ہو گا؟؟ نہیں رسول اللہ فرماتے ہیں "اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے دلوں سے علم کو واپس لے لے، بلکہ اللہ علماء کو موت دے دے گا، یہاں تک کہ اللہ کے دین کا کوئی بھی اصل عالم باقی نہی بچے گا۔ اور لوگ جاہلوں کو اپنا قائد منتخب کریں گے، جن سے جب بھی معاملہ پوچھا جائے گا تو وہ بغیر کسی علم کے اپنا فیصلہ سنائیں گے، اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

یعنی لوگ ایسے مفتیوں سے فتوی پوچھیں گے، جن کو دین کا کوئی علم نہیں ہو گا۔ وہ ان کو غلط فتویٰ دیں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے۔ ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ آج کل بہت سی بدات اور غلط رسوم ورواج علماء کے غلط فتوں کی وجہ سے جاری وساری ہیں، یا ایسے لوگوں کی وجہ سے جو علماء ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ بد قسمتی سے آج کل فتوے کا جاری کرنا ایک بہت ہی معمولی بات سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں ہمیں ملتا ہے کہ وہ فتویٰ دینے سے بھاگتے تھے۔ ایک تابعی لکھتے ہیں، کہ میں نے کم و بیش تیس صحابہ کو مسجد میں بیٹھے دیکھا، ایک آدمی مسجد میں سوال پوچھنے کے لئے داخل ہوا، اور ہر صحابی نے اپنے سے اگلے صحابی کی طرف اس کو یہ کہتے ہوئے بھیجا کہ جاو اس کا جواب میرے پاس نہیں، فلاں صحابی سے پوچھو "اور آجکل ہم سے اگر جواب نہ بھی پوچھا جائے تو ہم جواب دینے کے لیے بھاگتے ہیں، جب کہ صحابہ فتوی پوچھے جانے سے بھاگتے تھے کیونکہ وہ اس کی اہمیت کو اور ذمہ داری کو سمجھتے تھے۔ عمر بن الخطاب سے ایک بار ایک سوال کیا گیا، وہ بولے کہ کیا یہ واقعہ وقوع پزیر ہو چکا ہے؟؟ سوال کرنے والے نے کہا نہیں، یہ نہیں ہوا۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرمانے لگے "تو واپس چلے جاؤ جب یہ ہو گا تب آنا اور پھر

پوچھنا، پھر میں اس کے لیے بدر کی لڑائی والے صحابہ کو بلاؤں گا اور مشورہ کروں گا۔ میں اپنی طرف سے تمہیں کوئی فتویٰ نہیں دوں گا، ہمیں اس سوال کے لیے شوریٰ بلانی پڑے گی۔" یہاں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رض کبھی بھی خیالی مسائل میں پڑنا ہی نہیں چاہتے تھے، آج کل ہم بہت زیادہ خیالی مسائل کے بارے میں سوالات کرتے ہیں، ہم ایسی چیزوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جن کا کوئی بھی عملی دنیا میں استعمال نہیں ہوتا۔ اور ہم ان سب کا خود جواب بھی دے دیتے ہیں۔

امام مالک رح کے پاس ایک شخص المغرب مراکش سے سفر طے کرتا ہوا ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ اندلس سے آیا ہو واللہ اعلم۔ وہ امام مالک کی خدمت میں 40 سوالات لے کر حاضر ہوا، امام مالک نے ان میں سے 36 سوالوں کے جواب میں کہا لا علم یعنی میں نہیں جانتا۔ اور انہوں نے صرف چار سوالوں کے جوابات دیے، اس شخص نے کہا کے میں مراکش سے دور دراز کا سفر کرتے ہوے کیا اس لیے آیا تھا کہ آپ کہیں کہ "میں نہیں جانتا". میں اپنے لوگوں کو کیا بتاؤں گا جب میں واپس گیا۔؟؟ امام مالک نے فرمایا کہ ان سے کہنا کہ امام مالک کہتے ہیں کہ "مجھے نہیں معلوم".

اور آجکل ہم ایسے حالات کے بارے میں سنتے ہیں، جس میں پورے کے پورے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں کسی ایسے بڑے فیصلے کو کرنے کی وجہ سے جو کہ غلط مشورے پر بنیاد رکھتا ہو۔ وہ ایسے غلط فتوے لے لیتے ہیں جو کہ آگے چل کر ان کے پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، اور آخر میں ان کو پتہ چلتا ہے کہ یہ فتوی تو غلط تھا۔ وہ یہ سب اللہ کی شریعت کی تلاش میں کرتے ہیں لیکن آخر میں ان کو معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ خراب ہو گیا۔ ذرا اس شخص کے سرِ گناہ کا تصور کریں جس نے ان کو یہ غلط فتویٰ دیا تھا۔!!

ایک بار یہ صحابہ کے دور میں بھی ہوا، صحابہ رض ایک غزوہ میں شریک تھے، جس میں ایک صحابی کے سر پر چوٹ لگی جس سے وہ زخمی ہو گئے۔ رات کو سوتے ہوئے وہ ایک خواب کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں چلے گئے۔ پھر صبح جب انہوں نے جنابت کے غسل کے متعلق پوچھا کہ کیا مجھے غسل میں اپنا سر دھونا پڑے گا؟ صحابہ نے جواباً کہا کہ ھاں تمہیں اپنا سر دھونا پڑے گا۔ لیکن جب انہوں نے اپنا سر دھویا تو وہ فوت ہو گئے، کیونکہ ان کے سر میں بہت گہرا زخم تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ پانی کی وجہ سے ان کے زخم میں انفیکشن ہو گیا ہو واللہ اعلم۔ جب صحابہ رض رسول اللہ کے پاس واپس لوٹے، تو یہ سب جو ہوا وہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ کہ انہوں نے اسے قتل کیا، اور اللہ انہیں قتل کرے، یہ اس کے لئے کافی تھا کہ وہ اپنے سر پر صرف مسح کر لیتا، اور انھوں نے اس بارے میں پوچھا کیوں نہیں، اگر وہ نہیں جانتے تھے؟؟ کیونکہ جہالت کا علاج علم پوچھ لینے میں ہی ہے۔

یہ سب احادیث دین کے علم کی کمی، آخرت کے علم کی کمی اور شریعت کے علم کی کمی کے بارے میں بتا رہی ہیں۔۔۔۔ اور ایک وقت آئے گا کہ یہ سب کچھ اپنی بدترین شکل میں سامنے آئے گا، اس سلسلے میں ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے، حذيفةبن اليمان رضي الله عنه قال: قال رسولُ الله صلى اللهُ عليه وآله وسلَّم : يَدْرُسُ الإِسْلاَمُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ، حَتَّى لاَ يُدْرَى مَا صِيَامٌ وَلاَ صَلاَةٌ وَلاَ نُسُكٌ وَلاَ صَدَقَةٌ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کے اسلام دھندلا یا پھیکا پڑ جائے گا جس طرح کہ تمہارے کپڑوں کے رنگ اور نشان پھیکے پڑ جاتے ہیں یا غائب ہو جاتے ہیں۔ اس دور میں کپڑوں کے رنگ پکے یا مستقل نہیں ہوتے تھے، اور جب ان کپڑوں کو بار بار دھویا جاتا تھا تو ان کے رنگ پھیکے پڑ جاتے تھے یہاں تک کہ بالکل غائب بھی ہو جاتے تھے۔ اسی طرح اسلام کے ساتھ ہو گا کہ یہ آہستہ آہستہ پھیکا پڑ تا چلا جائے گا اور پھر لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں رہے گا کہ روزہ نماز اور عبادت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ مکمل قرآن کو اس زمین پر سے اٹھا لے گا، یہاں تک کہ اس کی ایک بھی آیت یہاں نہیں بچے گی۔ اور کچھ بوڑھے مرد عورت ہوں گے جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو لا الہ اللہ کہتے سنا تھا اور آج ہم بھی یہ کہتے ہیں۔ بس یہ وہ کل علم ہو گا جو وہ اسلام کے بارے میں جانتے ہوں گے، وہ نماز کے بارے میں کچھ نہیں جانیں گے۔ صیلاہ ایک تابعی تھے، جو خزف رضی اللہ تعالی عنہ کے شاگرد تھے، انہوں نے جب یہ حدیث مَا تُغْنِي عَنْهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ لَا يَدْرُونَ مَا صَلَاةٌ وَلَا صِيَامٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ؟ سنی تو حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کی ان کا یہ لا الہ الا اللہ کہنا ان کے لئے کیا کرے گا؟؟ جب کہ وہ نماز روزہ حج زکوۃ کے بارے میں نہیں جانتے ہوں گے؟؟. حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنا منہ ان سے دوسری جانب پھیر لیا۔ انہوں نے دوبارہ سوال کیا، حذیفہ رض نے پھر منہ موڑ لیا، پھر جب تیسری بار پوچھا گیا تو وہ بولے "او صیلاہ! لا الہ الا اللہ ان کو جہنم کی آگ سے بچا لے گا، لا الہ الا اللہ جہنم کی آگ سے بچا لے گا، لا الہ اللہ ان کو جہنم کی آگ سے بچا لے گا۔ "یعنی اللہ تعالی ان کو ان کی جہالت کی وجہ سے بچا لے گا، اور ان سے یہ کلمہ قبول فرمائے گا جبکہ وہ اس کو ایک جملے کی طرح سمجھتے ہونگے۔ لیکن اگر ان کے پاس علم ہوتا تو وہ نماز روزہ زکوۃ حج بھی کرتے۔

حالات اس سے بھی زیادہ بدترین ہو جائیں گے، مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لاَ يُقَالَ فِي الأَرْضِ اللَّهُ اللَّهُ کے مطابق انس رض نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک وقت آئے گا کہ زمین میں اللہ کا نام نہیں لیا جائے گا۔" ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی دو تشریحات کی جا سکتی ہیں، ایک توجیہہ تو یہ ہے کہ برائی کی روک تھام نہیں ہو گی، کیونکہ جب آپ لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں تو آپ انہیں اللہ کا نام لے کر اللہ کی یاد

دلاتے ہیں۔ دوسری تشریح حدیث کے معنی کو لغوی طور پر دیتی ہے آپ زمین پر اللہ کا نام نہیں سنیں گے یہ وقت کے بالکل آخر کی طرف اشارہ ہے اور ان لوگوں پر فیصلے کا دن واقع ہو گا جو کہ اللہ کا نام بھی نہیں لیتے یا جانتے ہوں گے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَأْخُذَ اللَّهُ شَرِيطَتَهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ ، فَيَبْقَى فِيهَا عَجَاجَةٌ ، لَا يَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا ، وَلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا فیصلے کا دن اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک کہ اللہ تمام نیک لوگوں کو اس کرہ ارض سے اٹھا نہیں لے گا۔ اللہ ان کی روح قبض کر لے گا جو لوگ باقی بچیں گے وہ برائی کو نہیں روکیں گے اور نیک کام بھی نہیں کریں گے۔ ابن مسعود رض مزید فرماتے ہیں اس وقت قرآن کریم کا تمام حصہ زمین سے دور کر دیا جائے گا یہ لوگوں کے دلوں میں باقی نہیں رہے گا۔ ابن تیمیہ رح اس بارے میں لکھتے ہیں، کہ اللہ سبحانہ وتعالی اس معاملے کو اس حد تک لے جائے گا کہ لوگوں کے دلوں میں ایک آیت بھی باقی نہیں بچے گی اور مصحف میں ایک بھی حرف باقی نہیں رہے گا کیونکہ لوگ اتنے برے اور بدترین فاسق ہو جائیں گے کہ وہ اس کے مستحق ہی نہیں رہیں گے۔

13۔ حفاظتی فوجوں اور گروہوں میں اضافہ:

طبرانی کی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ شَرَطَةٌ ، يَغْدُونَ فِي غَضَبِ اللَّهِ ، وَيَرُوحُونَ فِي سَخَطِ اللَّهِ ، فَإِيَّاكَ أَنْ تَكُونَ مِنْ بِطَانَتِهِمْ کہ "ایک ایسا وقت آئے گا جب بہت سی حفاظتی فوجیں اور جتھے ہوں گے، وہ صبح کے وقت ایسی حالت میں باہر نکلیں گے کہ ان پر اللہ کا قہر ہو گا، اور رات کے وقت وہ اللہ کے غضب کے ساتھ ہی گھر واپس آ جائیں گے، ان سے محتاط رہنا اور کبھی ان کے ساتھیوں میں شامل نہ ہونا". یہ حدیث ان سکیورٹی فورسز یا پھر سکیورٹی کے نام پر بنائے گئے اداروں کے بارے میں بات کر رہی ہے جو لوگوں کی جاسوسی پر مامور ہوتے ہیں اور لوگوں کی کھوج اور ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اللہ کی مسجدوں میں جانے والوں پر، اور دین کی دعوت دینے والوں پر نظر رکھے ہوئے ہوتے ہیں، اور اگر موقع ملے تو ان کو اللہ کی عبادت سے روکنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ یہاں پر ایسی پولیس اور سکیورٹی فورسز کی بات ہو رہی ہے جو عام لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ رسول اللہ ہمیں یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ ان کا ساتھی بننا تو در کنار ان کی تو کسی قسم کی مدد بھی نہیں کرنی چاہیے۔

آج کل کے دور کے علاوہ یہ سب کچھ ماضی کے خلفاء کے ادوار میں بھی ہوتا رہا ہے۔ یہ لوگوں پر ظلم ہے اور امت کا امتحان بھی، چاروں ائمہ اربعہ میں سے ہر کوئی (امام احمد، مالک، ابو حنیفہ اور شافی رح) اس ظلم اور آزمائش میں گزرے ہیں۔ امام مالک کے کندھوں کو اکھاڑ دیا گیا تھا، امام احمد پر بدترین تشدد کیا گیا، امام شافعی کو جیل میں ڈالا گیا، ابن تیمیہ رح کو جیل میں ڈالا گیا اور وہیں پہ ان کی وفات ہوئی۔ حتیٰ کہ موجودہ دور کے بہت سے علماء بھی اسی ظلم و ستم سے اب بھی گزر رہے ہیں۔

14۔ زنا کا غالب اور عام ہو جانا:

بخاری کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ... وَيَظْهَرَ الزِّنَا کہ "زنا عام پھیل جائے گا۔" ایک اور حدیث جو کہ سائنسی اعتبار سے ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے، میں فرمایا گیا، کہ "جب زنا اس طرح پھیل جائے کہ لوگ فحاشی اور عریانی کی تشہیر عوام کے درمیان کرنے لگیں، تو اللہ ان پر ایسی بیماریاں نازل کرے گا، جو ان سے پہلے کبھی اپنا وجود بھی نہ رکھتی ہوں گی۔". آجکل ہم دیکھ سکتے ہیں کہ زنا کا صرف ارتکاب ہی نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے اشتہار عوامی سطح پر چلتے ہیں۔ ایڈز ایک بیماری ہے جس کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔ اللہ نے اسے لوگوں کے لئے نازل کیا کیونکہ زنا عوامی سطح پر پھیل چکا تھا، اس کی طرف دعوت کے رجحانات فلموں، ڈراموں، بل بورڈز اور سڑکوں پر مشتہر کیے جانے لگے، یہاں تک کہ سگریٹ اور کاروں کے اشتہار میں بھی اسی کی دعوت دی جانے لگی۔ لوگوں کو یہ نہیں سوچنا لینا چاہیے کہ جب ایڈز کا علاج دریافت کر لیا جائے گا تو یہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، نہیں بلکہ اللہ پھر کوئی اور ایسی وبا اور بیماری بھیج دے گا جو اس سے پہلے اپنا وجود نہیں رکھتی ہو گی۔ یہ ایک ایسی نشانی اور علامت ہے جو جزوی طور پر تو پوری ہو چکی ہے، اور آگے آہستہ آہستہ اس کی بدترین شکل کلی طور پر اس دنیا میں پھیل جائے گی۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اور یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے، کہ "عیسی علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے زمانے میں اللہ سبحانہ وتعالی تمام نیک لوگوں کی روحوں کو قبض کر لے گا، اور پھر اس کے بعد آخر کے زمانے میں ایسے بدترین لوگ دنیا میں رہ جائیں گے، جو گدھوں کی طرح جنسی تعلقات قائم کیا کریں گے". ہر طرح کا تعلق قانونی ہو گا، جماع گدھوں کی طرح عوام کے سامنے ہی ہو گا۔ "اس امت کا خاتمہ اس وقت تک نہیں ہو گا کہ جب تک کہ ایک شخص کسی عورت کے پاس آئے گا اور وہ راستے کے بیچ میں ایک دوسرے سے جماع کریں گے۔ اس وقت ان میں سب سے نیک اور بہترین شخص وہ ہو گا جو ان دونوں کے

پاس جائے گا اور ان سے کہے گا، کہ "آپ لوگ مہربانی کر کے اس دیوار کے پیچھے چلے جائیں"، یہ اس دور کا نیک ترین انسان ہو گا، جو کہ ان کو صرف یہ نصیحت ہی کر سکے گا۔

آج بھی زنا کے محرکات بہت پھیل چکے ہیں، یہاں تک کہ مسلم دنیا میں بھی۔ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہالی وڈ کی ثقافت ایک عالمی ثقافت بن چکی ہے، بہت سے مسلمان انتہائی مقدس مقامات پر بھی اسی ثقافت کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں۔ سیٹلائٹ ڈشز بس ایسی جھونپڑیوں اور دور دراز کے گاؤں میں بھی پہنچ چکی ہیں، جہاں دعوت کے پہنچنے میں صدیاں لگ گئیں۔ آپ بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ فلمیں فحاشیاں اور عریانی دور دراز کے علاقوں تک پہنچ چکی، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم خود اس کی ترویج کر رہے ہیں۔ ہم نے حلال کو اتنا مشکل بنا دیا ہے اور حرام کے راستے بہت آسان اور کھلے ہیں۔ ذرا دیکھیں کہ مسلمانوں نے شادی کو کتنا مشکل بنا دیا ہے، مرد اور عورت دونوں پر شادی کی ذمہ داری اتنی مشکل بنا دی گئی ہے خاص طور پر مرد کو پہلے کچھ اہم معیارات دولت، اسٹیٹس اور مادی وسائل کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔ کیا یہ شادی کو بہت ہی مشکل امر نہیں بنا دیتا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ ، إلا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ "اگر کوئی شخص تمہارے پاس آئے جو تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہو، اور تم اس کا کردار اور اس کے دین سے مطمئن ہو۔ لیکن پھر تم رشتے سے انکار کر دو، تو اس زمین پر فتنہ اور فساد پھیل جائے گا۔" یہاں سماجی بد عنوانی کی بات کی جا رہی ہے اور ہم سب اپنی بیٹیوں کی پرورش اسی قسم کے فسادی ماحول کے مطابق کر رہے ہیں۔ اور اگر ہم اس صورتحال کو بہتر نہیں کرتے تو پھر ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہو گا۔ رسول اللہ نے جو اصطلاح استعمال کی وہ دین اور کردار کی تھی۔ کردار بھی بہت اہمیت کا حامل ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مذہبی تو بہت ہو لیکن کردار کے حوالے سے برا ہو اور اسی طرح اس کے برعکس کوئی ایسا ہو جس کا کردار تو بہتر ہو لیکن وہ دین سے آزاد ہو۔ اس لئے ان دونوں چیزوں کا ایک ساتھ ہونا ہی سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

اسی بارے میں دور حاضر کے ایک عالم کا قول ہے کہ اگر امیر لوگ مساجد کے دروازے پر بھکاریوں کو پیسے دینے کی بجائے غریب جوڑوں کی کفالت کر کے نکاح کرنے میں ان کی مدد کریں تو وہ ان کے لیے زبردست صدقہ ثابت ہوں گے۔ آج کل آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بہت سے کاروباری لوگ بھیکاریوں کو پیسے دیتے ہیں، ہمیں دوبارہ تشخیص کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے صدقات کس

طرح اور کہاں دیں بہت سارے اسے مستحق لوگ ہیں جنہیں حقیقی طور پر صدقات کی ضرورت ہے لیکن وہ انہیں حاصل نہیں کر پاتے۔ مثال کے طور پر کئی نوجوان جوڑوں کو شادی کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے۔

القرطبی زنا عام ہونے والی حدیث کے پس منظر میں لکھتے ہیں کہ جو نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی وہ ہمارے زمانے میں پوری ہو رہی ہے۔ القرطبی اپنے دور کی صورتحال کو بیان کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہوئی کہ اسپین میں مسلمانوں نے اپنا مضبوط قلعہ کھو دیا؟ اسپین کے مسلمان بذات خود اتنے امیر، پر اعتماد اور مضبوط تھے کہ وہ اپنے آپ کو الگ خلافت ہی سمجھتے تھے، گو کہ وہ خلافت عباسیہ سے آزاد تھے۔ یہ تاریخ کا پہلا دور تھا جس میں دو خلافتیں تھیں، ایک خلیفہ قرطبہ میں اور ایک خلیفہ بغداد میں۔ اسپین والے اتنے مالدار اور دولتمند ہو گئے کہ ان میں وہی سماجی بدعنوانی عروج پا گئی جس کا اشارہ حدیث میں دیا گیا تھا۔ اس زمانے میں طوائف اپنے ماتھے پر ایک نظم کی سطر لکھتی تھی جو کھلے عام لوگوں کو گناہ کی دعوت کی طرف مدعو کیا کرتی تھی۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ ہم نے اپنے زمانے میں یہ سب چیزیں یعنی کھلے عام گناہ کی دعوت دیا جانا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

14۔ ربا یعنی سود کا پھیلاؤ:

ہم اسے انٹرسٹ، فائنانسنگ اور رہن جیسے الفاظ سے پکار سکتے ہیں، لیکن یہ سب ایک ہی چیز ہیں۔ پہلے دنیا اسے یویری یعنی سود کے نام سے پکارتی تھی، جب کہ اب یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ ربا سود بہت بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ یہ ان دو بڑے گناہوں میں سے ایک ہے جس کے بارے میں اللہ سبحان تعالی نے اعلان کر رکھا ہے کہ وہ اس شخص سے خود جنگ کرے گا جو ان دو گناہوں میں سے کسی میں بھی ملوث ہو۔ ان میں سے ایک تو سود کھانا ہے اور دوسرا مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ اللہ کے اولیاء کے ساتھ دشمنی کرنا۔ اللہ سبحان تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کہ "اللہ تمہارے خلاف جنگ کرے گا" اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جو شخص سود والے معاملات کیا کرے گا اس کو ایسی حالت میں زندہ کیا جائے گا جس طرح شیطان نے چھو کر اسے جنونی یا خبطی بنا دیا ہو، پھر اس کو اسلحہ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ "جنگ کے لیے تیاری کرو" اور اس کو بتایا جائے گا کہ ابھی تمہاری اللہ سبحان و تعالی کے ساتھ جنگ ہے۔

الطبرانی کی روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ يَظْهَرُ الرِّبَا کہ "قیامت کے قریب، اور آخری دور میں سود دنیا میں پھیل جائے گا۔" رسول اللہ کے دور میں سود کی دو قسمیں تھیں ایک وقت کی بنیاد پر ربا نا سیا، دوسرا جنس کی بنیاد پر ربا الفدال جو سونے کا سونے پر چاندی کا چاندی پر، لین دین کے وقت اضافی طور پر رکھا جاتا تھا۔ یہ دوسری قسم ابھی بھی موجود ہے لیکن آجکل کے سود کی زیادہ شکلیں پہلی قسم یعنی ربا نا سیا کے تحت ملتی ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہیں جس طرح کریڈٹ کارڈ، یعنی اگر آپ ایک خاص مدت تک قرض ادا کر دیں تو ٹھیک، ورنہ آپ کو اضافی فیس کی صورت میں پیسے خرچ کرنے پڑیں گے۔ آج کل معاشرے میں یہ مختلف شکلوں کے اندر رائج ہے۔ آپ شاید ہی ایسی کوئی کمپنی مشکل ہی سے ڈھونڈ سکیں جو کہ قرض پر نہ چل رہی ہو۔ امریکہ میں ہر شخص کسی نہ کسی طرح کے قرض میں زندگی گزار رہا ہے، جو کسی نہ کسی شکل میں سود کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین انداز میں موجودہ دور کی مثال بیان فرماتے ہیں،لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يَبْقَى أَحَدٌ إِلاَّ أَكَلَ الرِّبَا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہر شخص سودی معاملات میں شامل ہو گا، اور ان میں سے اگر کوئی براہ راست شامل نہ بھی ہو، تب بھی ربا کی گرد اس کے اوپر پڑے گی۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ہر قسم کا لین دین ربا پر مبنی ہو گا اور اگر آپ اس سے دور ہونے کی کوشش بھی کریں تب بھی الحمد للہ آپ سے دور تو ہو جائیں گے لیکن اس سے متاثر ضرور ہونگے کیونکہ یہ ایک عالمی معیشت ہے۔ کچھ بینک چیک اکاؤنٹس آپ کو سود نہیں دیتے ہیں لیکن پھر بھی آپ سود کی خاک سے متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ آپ کا پیسہ کسی ایسے ادارے کے پاس موجود ہے جو کہ سو فیصد سود پر مبنی کاروبار کر رہا ہے۔ آپ جتنا بھی اس سے صاف ستھرا رہنے کی کوشش کریں کریں لیکن پھر بھی اس کی دھول آپ پر ضرور آتی ہے، اسی طرح جیسے کہ کوئی شخص خاک آلود کچی سڑک پر گاڑی چلا رہا ہو۔يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا اللہ سود کو برباد کر دے گا اسی لیے سود میں کوئی برکت نہیں ہے، یہ ہم سب کو نقصان پہنچا رہا ہے چاہے ہم اس کو استعمال کریں یا نہ کریں، یہ تقریبا ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ سبحان اللہ اس حدیث کے مطابق پوری دنیا ہی سود میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ بے شک یہ اس لحاظ سے ایک برا دور ہے، اسلام ایک مکمل جامع نظام ہے، یہاں تک کہ یہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ پیسوں کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا جائے آئے اگر ہم پیسہ کو اور معاشرتی زندگی اور نظام وغیرہ کو اسلام سے الگ کر دیں تو پیچھے کیا بچے گا؟؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ ، لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب لوگ اس بات کی بالکل پرواہ نہیں کریں گے کہ وہ اپنا پیسہ کہاں سے کماتے یا لیتے ہیں (یعنی یہ حلال ہے یا حرام).

لوگوں کا مقصد صرف اور صرف پیسا ہو گا انہیں پرواہ نہیں ہو گی کہ وہ اسے کہاں سے حاصل کریں وہ اپنے ملک کے قانونی نظاموں کی پاسداری کرنے کی تو کوشش کریں گے لیکن جب بات اللہ کے قوانین کی ہوں تو انہیں کچھ بھی پرواہ نہیں ہو گی۔ ہاں لیکن ان سے قیامت کے دن ضرور پوچھا جائے گا کیونکہ یہ ان چار سوالات میں سے ایک ہے جو آپ سے پوچھا جائے گا: "تم نے اپنا مال کہاں سے کمایا اور پھر اسے کیسے اور کہاں پر خرچ کیا؟؟"

16۔ مساجد کی سجاوٹ:

یہ ایک ایسی نشانی ہے جو پوری ہو چکی ہے۔ ابن ماجہ کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ "ایک وقت ایسا آئے گا جب لوگ مساجد کی تعبیر میں فخر کیا کریں گے اور ایک دوسرے سے اس کا مقابلہ کریں گے۔". حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ایک حکم کو روایت کرتے ہوئے بخاری رحمتہ اللہ لکھتے ہیں، وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ : كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ ، وَأَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ ، وَقَالَ : أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَإِيَّاكَ أَنْ تُحَمِّرَ أَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ اور یہ کوئی حدیث نہیں ہے، ابو سعید الخذری نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی چھت کھجور کے درخت کے پتوں کی تھی، وہ ایک کے بعد دوسرے کے اوپر پتے باندھ دیتے اور وہی چھت بن جاتی، اس پتوں کی چھت کا مقصد صرف سایہ کرنا مقصود تھا۔ یہ ایسی نہیں تھی جس پر پانی اثر نہ کرے چنانچہ جب بارش ہوتی تو پوری مسجد بھیگ جاتی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور کی مساجد کی صورتحال تھی۔ یہ وہ مساجد تھیں جہاں سے اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا، بے شک مسجد کے اعلیٰ ہونے کا معیار اس کی خوبصورتی کے ساتھ بلکل بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی مسجد اس دنیا کی سب سے زیادہ برکت والی اور مبارک مسجد ہے اور اس مسجد کی چھت ایسی بھی نہیں تھی جو پانی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں وہ ایک بلڈر کو لائے، اور اسے حکم دیا کہ اس مسجد کی چھت کو اس طرح بنادو کہ پانی اس پر اثر نہ کرے، اور خیال رہے کہ زرد اور سرخ رنگ استعمال نہیں کرنا کیونکہ اس طرح تم لوگوں کی توجہ کو بھٹکا دو گے۔ سبحان اللہ آج ہم دیکھیں کہ ہم کہاں پہنچ چکے ہیں، عمر رضی اللہ فرمارہے ہیں کہ سرخ اور زرد رنگ استعمال نہیں کرنا، کیونکہ وہ بہت چمکدار ہوتے ہیں، اور آجکل ہم اپنی مساجد میں اس سے کتنا دور ہیں۔ اور اگر یہ بات آج کل آپ کسی مسجد بنانے

والے کو بتائیں تو وہ یہ سوچتا ہے کہ آپ پاگل ہو چکے ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں وَقَالَ أَنَسٌ : يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى **ایک وقت ایسا آئے گا جب لوگ مساجد پر فخر کریں گے لیکن لوگ ان کو زندہ نہیں کریں گے۔ وہ مسجد پر فخر تو کریں گے لیکن مسجد بذات خود اندر سے خالی اور مردہ ہوگی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم مساجد کو یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح سے سجاؤ گے۔ اور اب تو ہم سرخ اور زرد رنگ کے مسئلے سے بہت بہت آگے نکل چکے ہیں، اب تو سونے اور کرسٹل کے فانوس، ہر طرح کی خطاطی اور معلوم نہیں کیا کیا چیزیں مساجد میں موجود ہیں۔**

جب عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے سرخ اور زرد رنگ سے منع فرمایا تھا تو وہ ان دو رنگوں کی وجہ سے نہیں تھا، وہ نمازیوں کے خیال کو بھٹکانے کی اندیشے کی وجہ سے تھا۔ واللہ اعلم اس وقت صرف یہ دو رنگ ہی موجود ہوں جن سے پینٹنگ کی جاتی ہو۔ اب تو ترکی کی ایک کمپنی ہے جو کہ سو جاجہ بناتی ہے جس میں کچھ روشنیاں لگی ہوتی ہیں اور یہ آپ کو متنبہ کرتا ہے جب آپ کوئی رکعت بھول جائیں۔ علماء اور شیوخ فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے دوران آپ کی توجہ کو بہت زیادہ بھٹکاتا ہے۔

ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ اگر تم اپنے قرآن مصحف اور اپنی مساجد کو رنگ برنگ سجاؤ گے، تو تم پر تباہی آئے گی۔ یہ ایک تباہی کی نشانی ہے جس کو آپ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، قرآن کے مصحف بہت زیادہ مہنگے ہیں ان کو سونے اور ریشم کے غلافوں سے سجایا جاتا ہے، مساجد کو بے انتہا پیسہ خرچ کر کے بنایا جاتا ہے، اور اکثر ایسے لوگ بناتے ہیں جو کہ خود نماز نہیں پڑھتے یعنی بادشاہ اور صدر وغیرہ۔ آپ یہ دیکھتے ہیں کہ مساجد کے بالکل ساتھ مارکیٹ میں بہت زیادہ رش ہوتا ہے، لیکن نماز کے وقت اور وہاں کوئی نماز پڑھنے نہیں جاتا۔ بعض اوقات آپ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مسجد اتنی زیادہ خوبصورت ہوتی ہے کہ اس کو میوزیم کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن وہاں پر نماز کے وقت زیادہ لوگ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ صرف اس لئے ہوتی ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر مرعوب ہو جائیں اور اس کے فن تعمیر میں کھو جائیں۔ سبحان اللہ ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ کی ذہانت ملاحظہ کریں انہوں نے اس وقت کی نشانی بتادی تھی کہ لوگ دکھاوے کو اخلاص سے زیادہ پسند کریں گے۔

17۔ اونچی عمارتوں کی تعمیر:

مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ کہ "تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں ننگے دھڑ، اور بکریوں اور بھیڑوں کے غریب چرواہے اونچی اونچی عمارتوں کے بنانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے۔" ننگے دھڑ کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے پاس پہننے کے کپڑے نہیں ہوں گے، لیکن وہ اتنے غریب ہوں گے کہ بمشکل اپنا ستر ڈھانپ سکیں گے۔ واللہ اعلم یہ حدیث مسلمان امت کے بارے میں بات کر رہی ہے نا کہ کفار کے۔ قیامت کے دن کی نشانیوں میں رسول اللہ زیادہ تر ایسی چیزوں کے بارے میں ذکر کرتے ہیں جو اس امت کے بارے میں بات کرتی ہیں، ظاہر ہے کچھ ایسی احادیث بھی ہیں جن میں عمومی طور پر دنیا کے بارے میں کہا جاتا ہے یا پھر کسی خاص گروہ کے بارے میں۔ لیکن ایسی صورتحال جس میں کچھ خاص لوگوں کا ذکر نہ ہو تو زیادہ تر بات مسلم امہ کے بارے میں ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ حدیث بھی ان لوگوں کے بارے میں بات کر رہی ہے جو بہت غریب ہوں گے لیکن پھر اچانک سے بہت زیادہ امیر ہو جائیں گے۔ وہ عمارات کو ضرورت کے تحت تعمیر نہیں کریں گے بلکہ ایک دوسرے سے مقابلے کے لئے تعمیر کریں گے اور آپ یہ بخوبی ملاحظہ کر سکتے ہیں خلیج کی ریاستوں میں، تیل کے کاروباری عروج کی وجہ سے۔ لوگوں کے پاس اچانک سے اتنی دولت کی بہتات ہوئی، پہلے وہ ایک مکان بنانے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے، جو کہ اب اونچی عمارات کی تعمیر میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ یہ اونچی اونچی عمارات ایسے علاقوں میں بنائی جا رہی ہیں جہاں پر زمین وافر مقدار میں موجود ہے اور آپ با آسانی عمودی طور پر عمارات کا پھیلاؤ کر سکتے ہیں بجاےیہ کہ آپ کو افقی طور پر جانے کی ضرورت محسوس ہو۔ یہ نیویارک کی طرح کے علاقے نہیں ہیں جہاں پر آپ کو مجبورا اونچی عمارات بنانی پڑتیں ہیں۔ یہ تو صحرائی علاقے ہیں جہاں پر آپ جتنی مرضی بڑی عمارت بنا سکتے ہیں بنا اسے اونچا کرنے کی ضرورت کے۔

سبحان اللہ یہ عاد کی قوم کی بھی ایک خصوصیت تھی جسے قرآن میں بیان کیا گیا ہے أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ (١٢٨) وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ (١٢٩) اللہ نے ہمیں بتایا کہ عاد کی قوم کے نبی ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا کہ تم لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بلاوجہ عمارات قائم کرتے ہو جن کے استعمال کی تم کو ضرورت نہیں۔

18۔ غلام عورت اپنے مالک کو جنم دے گی۔

جبرائیل علیہ السلام کی یہ ایک بہت مشہور حدیث ہے جو کہ بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ قَالَ فَأَخْبِرْنِي... قَالَ أَنْ تَلِدَ الأَمَةُ رَبَّتَهَا جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن کی نشانیوں کے بارے میں دریافت کیا تو رسول اللہ نے جواب دیا یا کہ اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ عورت اپنے آقا کو جنم دے گی۔ یا غلام اپنے مالک کو جنم دے گا۔ علماء اس حدیث کے پس منظر میں کچھ تشریحات پیش کرتے ہیں، جن میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ اولاد اپنی ماؤں کے ساتھ معاملات میں اس حد تک بد تمیز نافرمان اور جارحانہ ہو جائے گی کہ یہ غلام اور آقا کے رشتے کی طرح ہو گا۔ اس میں بچے ایک آقا کی طرح برتاؤ کریں گے اور ماں ایک غلام کی طرح۔ ابن حجر نے بھی یہی رائے اپنائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی سب سے زیادہ ترجیحی رائے ہے کیونکہ یہی سب سے زیادہ عام ہے۔ اور میرے خیال میں آج ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں، کچھ عرصہ پہلے تک مسلم اور غیر مسلم دونوں ثقافتوں میں والدین کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ امریکہ جو صرف دو تین سو سال پرانا ہے اس میں بھی کچھ نسلیں پہلے تک ماں باپ کی بہت زیادہ عزت ہوتی تھی۔ جبکہ اب ہم دیکھ رہے ہیں کے اٹھارہ سال اور اس سے بھی پہلے بچے اپنے والدین اور خاندان سے بلکل الگ ہو جاتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی اپنے والدین کی جانب کچھ ذمہ داری ہے۔ اور یہ تو باقاعدہ قانون ہے کہ اٹھارہ سال کے بعد والدین آپ سے کچھ بھی نہیں لے سکتے یا آپ کو کچھ بھی نہیں پوچھ سکتے۔ لوگوں کا عمل اور سلوک تو اس سے بھی بہت آگے بد ترین ہو چکا ہے، آئے دن آپ خوفناک کہانیاں سنتے ہیں کہ بچوں نے اپنے والدین کے ساتھ کس طرح کا سلوک روا کیا۔ یہ اسلام اور عام فہم دونوں کی تعلیم ہے کہ والدین نے بچوں کے لئے بہت کچھ کیا اور اس وجہ سے وہ فرائض اور ذمہ داری کے لحاظ سے اللہ سبحانہ و تعالی کے بعد دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ اس دنیا میں اللہ کے ہم پر سب سے زیادہ احسانات ہیں، ہم اس کی دی ہوئی ہر چیز کے مقروض ہیں جبکہ وہ ہمارہ کسی بھی چیز کے لیے مقروض نہیں۔ اسی لئے ہمیں ہر پل اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اس کے بعد والدین کا نمبر ہے۔ اللہ سبحان و تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے وَقَضَى رَبُّكَ أَلا تَعْبُدُوا إِلا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یعنی اللہ کے فوراً بعد والدین کا نمبر ہے کیونکہ اللہ نے اپنے ذکر کے فورا بعد صرف والدین کا ذکر کیا ہے۔ انسانی بچے کے لیے اس کے والدین ہی سب کچھ کرتے ہیں، وہ بے بس ہوتا ہے اس کی کوئی مدد نہیں کرتا لیکن صرف والدین، وہ صرف اور صرف والدین کے بھروسے پر زندہ رہ سکتا ہے۔ اور اگر بچہ بچہ بڑا ہو کر انہی والدین کو کچھ بھی نہ لوٹائے تو پھر تو یہ بد ترین ناشکری کی حد ہو گئی۔